دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور (مغربی پاکستان)

له دعوة الحق
قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار

جلد : ۶
شمارہ : ۵

اکوڑہ خٹک
الحق
ماہنامہ

ذی الحجہ ۔ ۱۳۹۰ھ
فروری ۔ ۱۹۷۱ء

مدیر ــــــــــــــ سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک
مغربی اور مشرقی پاکستان سے ۸/ روپے ، فی پرچہ ۷۰ پیسے
غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ ، غیر ممالک ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ طابع وناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

اس وقت پاکستان کا اہم ترین مسئلہ "آئین سازی" کا مسئلہ ہے۔
جس پر تمام مسلمانوں کو سیاسی اور گروہی نقطۂ نظر سے ہٹ کر نگاہ
رکھنی چاہیئے۔ بظاہر اسمبلی کا آغاز ہونے والا ہے مگر آئین کے بارہ میں کوئی واضح اور غیر مبہم صورتحال اب تک سامنے نہیں آسکی، دو اکثریتی پارٹیوں کے سربراہوں کے درمیان ڈھاکہ میں ہونے والے مذاکرات کو بھی اس لحاظ سے خوش آئند نہیں کہا جاسکتا۔ دوسری طرف اسلام اور نظریۂ پاکستان کی دعویدار جماعتیں ہیں جن میں باہمی اتحاد اور مفاہمت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی جبکہ ایک معمولی اقلیت میں ہونے کی وجہ سے مفاہمت اور یگانگت کا معاملہ فوری توجہ کا مستحق تھا۔ جس انتشار، خلفشار اور باہمی غلط فہمیوں کی وجہ سے محبِ اسلام طاقتوں کی ۰، فیصد اکثریت کو بھی دستور ساز اسمبلی میں اقلیت بننا پڑا۔ آج بھی اگر وہ اقلیت بیشمار اکائیوں میں بٹی رہی تو اسلامی آئین کا مسئلہ ایک مذاق بن جائے گا، اور پوری ملت کو اس شامتِ اعمال کی سزا بھگتنی ہوگی۔

ہمیں اکثریت حاصل کرنے والے زعماء کے اس سکوتِ مجرمانہ پر بھی حیرت ہے جو کل تک اقتدار اور کامیابی حاصل کرنے کے خیال سے اپنے دیگر دعووں کے ساتھ ساتھ قرآن وسنّت اور اسلامی آئین کی بالادستی کا اعلان بھی کرتے رہے مگر انتخابات کے بعد وہ اس معاملہ میں خاموش ہیں۔ اگر خدانخواستہ ان کا ذہن اس معاملہ میں صاف نہیں ہے اور وہ اسلامی آئین کو اپنے خود ساختہ معاشی یا اقتصادی وانتظامی نکات کیلئے ایک رکاوٹ سمجھ کر اس سے گریز کرنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیئے کہ یہاں کے غیور اور جسور مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت اسلامی آئین کے معاملہ میں اب بھی ان چند گنے چنے علماء حق اور محبِ وطن وملت افراد کی پشت پر ہے جن کی ایک معمولی اقلیت دستور ساز اسمبلی تک پہنچ چکی ہے۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ اکثریتی پارٹیوں کی آئین کے مسئلہ پر مفاہمت اور اتفاق رائے ہوجائے اور اس بدقسمت ملک کا یہ بحرانی دور جلد از جلد ختم ہوجائے۔

لیکن یہ حقیقت مدنظر رہنی چاہیئے کہ ایسی کوئی مفاہمت یا گٹھ جوڑ یہاں کی تمام اسلامی قوتوں کے لئے ناقابلِ قبول ہوگی جس میں پاکستان کی اساس اسلامی آئین کے بنیادی اصول کو بالائے طاق رکھا گیا ہو۔ ایسی قابلِ قبول مفاہمت اگر ہوسکتی ہے تو علماء اور اسلامی ذہن رکھنے والی ان تمام پارٹیوں کا اعتماد لے کر ہوسکتی ہے جنہیں قوم نے اسلامی آئین کی تمنا لیکر منتخب کیا ہے ہمیں خوشی ہے کہ

جمعیۃ العلماء اسلام بھی قابل اور چیدہ چیدہ علماء اور قانون دان حضرات کے تعاون سے اپنا ایک مسودہ اسمبلی میں پیش کر رہی ہے مگر اس بارہ میں ہماری مخلصانہ اور نیازمندانہ گذارش یہی ہے کہ جمعیۃ کے زعماء بالخصوص قائد جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اس مسودہ کو اسمبلی میں پیش کرنے سے قبل اس کے بارہ میں ملک کے مختلف مکاتب فکر کے علماء اسلامی جماعتوں اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش فرماویں اسی طرح منتخب علماء کی دوسری جماعت جمعیۃ العلماء پاکستان کے اکابر کا بھی باہمی بحث اور غور و فکر کے بعد ایک ہی مسودہ پر اتفاق رائے ہو جائے۔ اور اسلامی جذبہ سے معمور دیگر منتخب افراد سے بھی اس مسودہ پر مشورہ کر لیا جائے تو ایسا کرنا پوری ملت اور پاکستان کے حق میں بہتر ہو گا۔

اگر خدانخواستہ اسلامی آئین کے نام سے کئی ایک الگ الگ مسودے پیش کئے گئے اور اسمبلی میں بھی اسی انتشار اور باہمی اختلاف کا مظاہرہ ہوا تو یہ بات نہ صرف پاکستان بلکہ پوری اسلامی دنیا میں ہمارے "اسلامی آئین" کے موقف کو نقصان پہنچائے گی۔

اس وقت انتخابی سیاست اور گروہی نعروں کا وقت گذر چکا ہے۔ پوری ملت کے لئے آئین اور ایک اسلامی آئین کا مرحلہ درپیش ہے، جس کے بارہ میں وقتی اور جزوی باتوں کو بالائے طاق رکھ کر پورے ایمانی جذبۂ اخلاص اور دلسوزی سے سوچنا اور قدم اٹھانا ہے آج نہ صرف پاکستان کے ہر اُس دردمند شہری کی نگاہیں منتخب ہونے والی پارلیمنٹ پر لگی ہوئی ہیں جس کا دل لا الٰہ الا اللہ کی آواز پر دھڑکتا ہے بلکہ پوری اسلامی دنیا اس نازک امتحان میں پاکستان کی ملتِ مسلمہ کی طرف نگاہیں اٹھائے ہوئے ہے۔

خداوند تعالیٰ اس نازک مرحلہ میں منتخب اسمبلی کی رہنمائی فرما دے اور ہمارے احوال بد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے سب کے قلوب کو اسلامی آئین کی طرف پھیر دے اور ہم سب کو کلمۂ اسلام پر جمع فرما دے۔ آمین

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

جناب وحید الدین خان صاحب

قانون سازی کا حق کسے حاصل ہے؟

ہمارے تمدنی اور معاشرتی مسائل کا قانون کیا ہو؟

قسط ۔ ۲

۴۔ قانون کبھی خود مکتفی نہیں ہو سکتا۔ مختلف وجوہ کی بنا پر اس کے ساتھ اخلاق کا ہم رشتہ ہونا ضروری ہے۔

(الف) مثلاً ایک مقدمہ قانون کے سامنے آتا ہے۔ اس وقت اگر خالص سچائی منظر عام پر نہ آئے تو قانون کا عادلانہ مقصد کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ اگر فریقین اور گواہ عدالتوں میں سچ بولنے سے گریز کریں تو انصاف کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور اس کے قیام کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہونگی گویا قانون کے ساتھ کسی ایسے ماورائے قانون تصوّر کی بھی لازمی ضرورت ہے جو لوگوں کے لئے سچ بولنے کا محرک بن سکے۔ سچائی کے لازمۂ قانون و انصاف ہونے کا اعتراف دنیا بھر کی عدالتیں اسطرح کرتی ہیں کہ وہ ہر گواہ کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ سچ بولنے کی قسم کھائے اور حلف اٹھا کر اپنا بیان دے۔ قانون کے لئے مذہبی اعتقادات کی اہمیّت کی یہ ایک نہایت واضح مثال ہے۔ مگر جدید سوسائٹی میں مذہب کی حقیقی اہمیّت چونکہ ہر پہلو سے ختم کر دی گئی ہے اس لئے عدالتوں کی مذہبی قسمیں اب صرف ایک روایت بلکہ مسخرہ پن بن کر رہ گئی ہے۔ اور ان کا کوئی واقعی فائدہ باقی نہیں رہا ہے۔

(ب) اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ قانون جس فعل کو جرم قرار دے کہ اس پر سزا دینا چاہتا ہے اس کے بارے میں خود سماج کے اندر بھی یہ احساس موجود ہو کہ یہ فعل جرم ہے۔ محض قانونی کوڈ میں چھپے ہوئے الفاظ کی بناء پر وہ فضا پیدا نہیں ہو سکتی جو کسی جرم پر سزا کے اطلاق کے لئے درکار ہے۔

ایک شخص جب جرم کرے تو اس کے اندر مجرمانہ احساس (GUILTY MIND) کا پایا جانا ضروری ہے وہ خود اپنے آپ کو مجرم سمجھے اور سارا سماج اس کو مجرم کی نظر سے دیکھے، پولیس پورے اعتماد کے ساتھ اس پر دست اندازی کرے، عدالت میں بیٹھنے والا جج پوری آمادگی قلب کے ساتھ اس پر سزا کا حکم جاری کرے۔ دوسرے لفظوں میں ایک فعل کے "جرم" ہونے کے لئے اس کا "گناہ" ہونا ضروری ہے، قانون کے تاریخی مکتب فکر کا یہ کہنا کہ — "قانون سازی جبھی کامیاب ہو سکتی ہے جبکہ وہ اس نسل کے داخلی اعتقادات (INTERNAL CONVICTIONS) کے مطابق ہو جس کے لئے قانون وضع کیا گیا ہے۔ اگر وہ اس سے غیر متعلق ہو تو ایسے قانون کا ناکام ہونا یقینی ہے[1]" اپنے مخصوص مکتب فکر کے استدلال کے طور پر تو صحیح نہیں ہے۔ مگر اس میں ایک خارجی صداقت بیشک موجود ہے۔

(ج) ان سب چیزوں کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قانون کے عمل در آمد سے پہلے سماج کے اندر ایسے محرکات موجود ہوں جو لوگوں کو جرم کرنے سے روکتے ہوں۔ صرف پولیس اور عدالت کا خوف اس کے لئے کافی محرک نہیں بن سکتا، کیونکہ پولیس اور عدالت کے اندیشہ سے تو رشوت، سفارش، غلط وکالت اور جھوٹی گواہیاں بھی بچا سکتی ہیں۔ اور اگر ان چیزوں کو استعمال کر کے کوئی شخص اپنے آپ کو جرم کے قانونی انجام سے بچا لے جائے تو پھر اسے مزید کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا۔

خدائی قانون میں ان تمام چیزوں کا جواب موجود ہے۔ خدائی قانون کے ساتھ مذہب و آخرت کا عقیدہ وہ ماورائے قانون فضا پیدا کرتا ہے جو لوگوں کو سچائی پر ابھارے، وہ اس درجہ موثر ہے کہ اگر کوئی شخص وقتی مفاد کے تحت جھوٹا حلف اٹھائے تو اپنے دل کو ملامت سے نہیں بچا سکتا۔ ویسٹرن سرکٹ کی عدالت میں ایک پتھر نصب ہے جو اس واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ کہ ایک گواہ نے قسم کے عام کلمات دہرانے کے بعد یہ بھی کہا تھا کہ "اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا میری جان یہیں قبض کرلے"۔ چنانچہ وہ شخص وہیں دھڑام سے گرا اور گر کر اس کا خاتمہ ہو گیا[2]۔

اس طرح کے واقعات اور بھی پیش آئے ہیں۔ اسی طرح جرم کے فعل شنیع ہونے کا عام احساس بھی محض اسمبلی کے پاس کردہ ایکٹوں کے ذریعہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کی بھی واحد بنیاد خدا

---

[1] A TEXT BOOK OF JURISPRUDENCE, P. 15

[2] THE CHANGING LAW, P. 103

اور آخرت کا عقیدہ ہے۔ اسی طرح جرم نہ کرنے کا محرک بھی صرف مذہب ہی پیدا کر سکتا ہے۔ کیونکہ مذہب صرف قانون نہیں دیتا بلکہ اسی کے ساتھ یہ تصور بھی لاتا ہے کہ جس نے یہ قانون عائد کیا ہے وہ تمہاری پوری زندگی کو دیکھ رہا ہے، تمہاری نیت، تمہارا قول، تمہاری تمام حرکتیں اس کے ریکارڈ میں مکمل طور پر ضبط ہو چکی ہیں۔ مرنے کے بعد تم اس کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔ اور تمہارے لئے ممکن نہ ہوگا کہ تم اپنے جرائم پر پردہ ڈال سکو۔ آج اگر سزا سے بچ گئے تو وہاں کی سزا سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ بلکہ دنیا میں اپنے جرم کی سزا سے بچنے کے لئے اگر تم نے غلط کوششیں کیں تو آخرت کی عدالت میں تمہارے اوپر دہرا مقدمہ چلے گا۔ اور وہاں ایک ایسی سزا ملے گی جو دنیا کی سزا کے مقابلے میں کروڑوں گنا سخت ہے۔

۵۔ انگلستان کی تاریخ کا ایک واقعہ ہے۔ جیمز اوّل (JAMES I) نے اعلان کیا کہ وہ مطلق العنان بادشاہ کی طرح حکومت کر سکتا ہے۔ اور عدالتوں میں استغاثہ اور مرافعہ کے بغیر معاملات میں آخری فیصلے دے سکتا ہے۔ یہ مشہور چیف جسٹس لارڈ کوک (COKE) کا زمانہ تھا۔ وہ ایک مذہبی آدمی تھے اور اپنے دن کا ایک چوتھائی حصہ عبادت میں بسر کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا "تمہیں فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، تمام مقدمات عدالت میں جانے چاہئیں" بادشاہ نے کہا "میرا خیال ہے اور یہی میں نے سنا بھی ہے کہ تمہارے قوانین کی بنیاد عقل پر رکھی گئی ہے۔ تو کیا مجھ میں ججوں سے کم تر عقل ہے" چیف جسٹس نے جواب دیا: تم بلاشبہ بہت علم و صلاحیت کے مالک ہو، لیکن قانون کے لئے بڑے تجربے اور مطالعہ کی ضرورت ہے۔ یہ تو ایک سنہری پیمانہ ہے جس سے رعایا کے حقوق کی پیمائش کی جاتی ہے۔ اور خود جناب والا کی حفاظت کی جاتی ہے۔" بادشاہ نے انتہائی غصہ ہو کر کہا کیا میں بھی قانون کے ماتحت ہوں، ایسا کہنا تو غداری ہے۔ لارڈ کوک نے بریکٹن (BRACTOR) کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:

"بادشاہ کسی آدمی کا ماتحت نہیں، مگر وہ خدا اور قانون کا ماتحت ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم خدا کو قانون سے الگ کر دیں تو ہمارے پاس یہ کہنے کی کوئی معقول بنیاد نہیں رہتی کہ ـــــ "بادشاہ قانون کے ماتحت ہے" کیونکہ جن افراد نے خود اپنی رایوں سے قانون بنایا ہو، جن کے اذن (SANCTION) سے وہ قانونی طور پر جاری ہوا ہو، جو اس کو باقی رکھنے یا بدلنے کا حق رکھتے ہوں۔ آخر کس بنا پر وہ اس کے ماتحت ہو جائیں گے۔ جب انسان ہی قانون ساز ہو تو بالکل فطری طور پر وہ خدا اور قانون دونوں کا جامع ہو جاتا ہے۔ وہ خود ہی خدا اور خود ہی قانون

ہوتا ہے ۔ ایسی حالت میں قانون سازوں کو قانون کے دائرے میں لانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی ۔

یہی وجہ ہے کہ تمام جمہوریتوں میں شہری مساوات کے اصول کو تسلیم کرنے کے باوجود قانونی طور پر سب یکساں نہیں ہیں ۔ اگر آپ ہندوستان کے صدر، گورنر، وزیر یا کسی افسر اعلیٰ پر مقدمہ چلانا چاہیں تو آپ اسی طرح اس کے خلاف مقدمہ نہیں چلا سکتے، جیسے ایک عام شہری کے خلاف آپ کر لیتے ہیں ۔ بلکہ ایسے کسی مقدمے کو عدالت میں لے جانے سے پہلے حکومت سے اسکی اجازت لینی ہوگی ۔ دستور ہند کی دفعہ ۳۶۱ کے تحت صدر جمہوریہ اور ریاستوں کے گورنر کے لئے یہ تحفظ دیا گیا ہے کہ پارلیمنٹ کی اجازت کے بغیر کسی عدالت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان کے خلاف کسی دعوے کی سماعت کر سکے ۔ اسی طرح وزراء کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کے لئے حکومت سے پیشگی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے ۔ بلکہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۹۷ کی رو سے کوئی جج مجسٹریٹ یا کوئی سرکاری ملازم جو مرکزی یا صوبائی حکومت کی اجازت کے بغیر اپنے عہدہ سے معزول نہ کیا جا سکتا ہو، اگر اس کے خلاف کسی بدعنوانی کے ارتکاب کا الزام لگایا جائے تو اسکی سماعت کا حق کسی عدالت کو اس وقت تک نہیں ہے جب تک مرکزی یا ریاستی حکومت سے اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے ۔ جس سے کہ اس شخص کی ملازمت متعلق ہے ۔ دوسرے لفظوں میں اگر آپ کسی اعلیٰ سیاسی یا انتظامی شخصیت پر مقدمہ چلانا چاہیں تو خود انہیں سے پوچھنا ہوگا کہ آپ کے اوپر مقدمہ چلایا جائے یا نہیں ۔

یہ ہندوستان کے قانونی نظام کا نقص نہیں ہے ۔ بلکہ انسانی قانون کا نقص ہے اور یہ نقص ہر اس جگہ پایا جاتا ہے ، جہاں انسانی قانون سازی کا اصول رائج ہے ۔ صرف خدائی قانون میں یہ ممکن ہے کہ ہر شخص کی حیثیت قانون کی نظر میں بالکل یکساں ہو اور ایک حاکم پر اسی طرح عدالت میں مقدمہ چلایا جا سکے ، جس طرح محکوم پر چلایا جاتا ہے ۔ کیونکہ ایسے نظام میں قانون ساز خدا ہوتا ہے ۔ بقیہ تمام لوگ یکساں طور پر اس کے محکوم ۔

۶۔ قانون کی آخری اور سب سے بڑی خصوصیت جس کو ہمارے ماہرین صدیوں سے تلاش کر رہے ہیں ۔ اور اب تک وہ اسے حاصل نہ کر سکے وہ بھی صرف مذہبی قانون میں موجود ہے یعنی قانون کی منصفانہ بنیاد ۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ منصفانہ قانون کی بنیاد کا حاصل نہ ہونا تلاش کے نامکمل ہونے کا ثبوت ہے ، نہ کہ اس بات کا ثبوت کہ انسان اسے حاصل ہی نہیں کر سکتا ۔ مگر

جب ہم دیکھتے ہیں کہ طبعی قوانین کی دریافت میں انسان نے بے حساب ترقی کی ہے، اور اس کے مقابلے میں تمدنی قوانین کی دریافت میں اس درجہ کی بلکہ اس سے زیادہ کوششوں کے باوجود ایک فیصدی بھی کامیابی نہیں ہوئی، تو ہم یہ ماننے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ محض تلاش کے نامکمل ہونے کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو چیز تلاش کی جارہی ہے اس کا پانا انسان کے بس ہی میں نہیں۔

دنیا میں سب سے پہلا فوٹو ایک فرانسیسی سائنسدان نے ۱۸۲۶ء میں کھینچا، اس میں آٹھ گھنٹے کا وقت لگا۔ اور اس نے اپنے کمرے کے برآمدے کا فوٹو کھینچا تھا۔ لیکن تصویر کشی کی موجودہ رفتار کا حال یہ ہے کہ فلم کا ریکارڈنگ کیمرہ ایک سیکنڈ میں دو ہزار سے بھی زیادہ تصویریں کھینچ لیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے جتنی دیر میں صرف ایک تصویر کھینچی جاسکتی تھی، اتنی دیر میں آج چھ کروڑ تصویریں اتاری جاسکتی ہیں۔ گویا رفتار کے معاملے میں ۱۴۰ سال میں انسان نے چھ کروڑ گنا ترقی کی ہے۔ امریکہ میں بیسویں صدی کے آغاز میں سارے ملک میں صرف چار موٹر کاریں تھیں، اب تقریباً دس کروڑ کاریں وہاں کی سڑکوں پر دوڑتی ہیں، انسان کی باریک بینی کا یہ حال ہے کہ آج وہ ...۱/۰۰ سیکنڈ کو بھی ہزارویں حصے تک تقسیم کرسکتا ہے، یعنی ایک سیکنڈ کے دس لاکھویں حصے کا ہزارواں حصہ۔ چنانچہ زمین کی گردش میں فرق پڑنے سے اگر ایک سیکنڈ کے دس لاکھویں حصے کے بقدر دن چھوٹا یا بڑا ہو تو رصدگاہوں میں اسے معلوم کرلیا جاتا ہے۔ آج ایسے حساس آلے دریافت ہوچکے ہیں کہ اگر تئیس جلدوں کی انسائیکلو پیڈیا میں کسی ایک صفحہ پر دو الفاظ بڑھائے جائیں تو اسکی سیاہی سے وزن میں جو فرق پڑے گا، اس کو وہ فوراً بتادیں گے ——— یہ طبیعی قوانین کی دریافت میں انسان کی ترقی کا حال ہے۔ مگر جہاں تک تمدنی قوانین کا معاملہ ہے، وہ اس میں ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ (باقی آئندہ)

- قدرت انتقام رکھتے ہوئے غصے کو پی جانا افضل ترین جہاد ہے۔ (امام جعفر صادقؒ)
- کھلی ہوئی عداوت منافقانہ موافقت سے بہتر ہے۔ "
- مصیبت میں آرام کی تلاش مصیبت کو ترقی دیتی ہے۔ "
- غذا سے جسم کو اور قناعت سے روح کو راحت پہنچتی ہے۔ "
- گناہ ناسور ہے۔ اگر ترک نہ کرو تو برابر بڑھتا رہے گا۔ "

آپ عید الاضحیٰ کے دن کیا کریں گے؟

قربانی کی اہمیت | قربانی اسلام کی مہتم بالشان عبادت ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ قرآن مجید میں کئی مرتبہ (آٹھ سورتوں میں) خداوندکریم نے قربانی اور متعلقات قربانی اس کی اہمیت اور اسکی حکمت اور فلسفہ مختلف امتوں میں اسکی شکل وصورت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور امتہ مسلمہ ملّت ابراہیمی کے لئے اسے دینی شعار اور امتیازی نشان قرار دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:
وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۔ اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی مقرر کی تاکہ وہ اللہ کے دئے گئے مویشیوں پر اس کا نام بلند کریں۔
جیساکہ خود آیت سے واضح ہے۔ یہاں منسک سے مراد ذبح کرنا (قربانی دینا) ہے، محققین اور تمام اکابر محقق مفسرین نے اس کی تصریح کی ہے۔ (قرطبی مراح للنووی، فتح القدیر شوکانی وغیرہ)
قربانی کی حکمت اور فوائد کے بارہ میں ارشادِ ربّانی ہے: لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کا گوشت پوست اور خون نہیں پہنچتا مگر اس کے ہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔
سورۂ کوثر میں واضح اور قطعی حکم ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (کوثر پ۳۰) ۔ اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

عن ابن عمرؓ قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحّی۔
(مسند امام احمدؒ ۔ ترمذی) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس برس تک مدینہ میں رہے اور برابر قربانی کرتے رہے۔

حضرت ابن عمرؓ ہی سے روایت ہے کہ عید قربان کے دن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ میں اونٹ یا کسی دوسرے جانور کی قربانی کرتے۔ (مسند احمد و نسائی)

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضورِ اقدسؐ نے مدینہ میں دو گندم گوں رنگ کے مینڈھے قربانی کئے۔ (بخاری نیز کتاب اختلاف الحدیث للشافعیؒ علی الام - ج ، ص۲۸)

بخاری شریف میں ہے کہ حضورؐ نے ازواج مطہراتؓ کیطرف سے گائے کی قربانی دی۔

حضورؐ نے فرمایا کہ ہر صاحبِ وسعت پر سال بھر میں ایک قربانی واجب ہے (ابن ماجہ ص۲۳۳)

حضورؐ نے فرمایا جس شخص نے استطاعت کے باوجود قربانی نہ دی وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ (بخاری، ابن ماجہ، مستدرک)

حضورِ اکرمؐ سے صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں۔؟ تو فرمایا کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیمؑ کی سنّت (یادگار) ہے۔ (مشکوٰۃ۔ ابن ماجہ وغیرہ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عید قربان کے دن ابن آدم کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں۔ قیامت کے دن قربانی کے سینگ، بال، سُم تک اعمالِ حسنہ کو بھاری کردیں گے۔ اس کے خون کے قطرے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوجاتے ہیں۔ تو طیّبِ نفس (دل کی خوشی) سے قربانی کرتے رہو۔ (ترمذی ابن ماجہ)

حضورؐ نے فرمایا اس کے ہر بال کے بدلے تمہارے لئے نیکی ہے۔ (احمد ابن ماجہ)

(از قلم سمیع الحق)

* * *

۱۔ بقر عید کی نماز بھی مثل نماز عید الفطر کے واجب ہے، اور ترکیب اس نماز کی وہی ہے جو نماز عید الفطر کی ہے۔ یعنی بعد تکبیر اولیٰ و ثنا قبل از تعوذ و بسم اللہ، اللہ اکبر کہتے ہوئے تین بار رفع یدین کریں۔ یعنی کانوں تک ہاتھ اٹھائیں، پہلی دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دئے جائیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر امام فاتحہ و سورۃ پڑھے، مقتدی خاموش رہیں۔ دوسری رکعت میں بعد فاتحہ و سورۃ رفع یدین کے ساتھ تین بار تکبیر کہیں اور ہر بار ہاتھ اٹھا کر چھوڑتے جائیں اور چوتھی تکبیر پر رکوع کریں۔ وقت اس کا آفتاب بلند ہونے کے بعد سے زوال سے پہلے تک ہے، اور جلد پڑھنا اس نماز کا مستحب ہے۔ تاکہ اس کے بعد قربانی میں مصروف ہوں۔ نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے جس میں قربانی اور تکبیرات تشریق کے احکام بتلائے۔ اس نماز کے لئے بھی باہر عیدگاہ میں جانا سنتِ مؤکدہ ہے۔ راستے میں بلند آواز سے تکبیر پڑھتا رہے، اور دوسرے راستے سے واپس ہو تاکہ دونوں راستے گواہی دیں۔

۲۔ بقر عید کی نماز سے پہلے کچھ کھانا اچھا نہیں، اگرچہ حرام بھی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ بعد نماز کے

قربانی میں سے کھائیے۔

۳۔ تکبیر تشریق ایک دفعہ ہر ایک نماز فرض کے بعد بہر آ کہنا واجب ہے۔ امام اور مقتدی اور منفرد، عورت و مرد سب ایک بار اس طرح تکبیر کہیں۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ نویں ذی الحجہ کی صبح سے تیرھویں تاریخ کی عصر تک۔

۴۔ ہر مسلمان آزاد مقیم جو کہ ضروریات زندگی کے علاوہ مقدار نصاب یعنی ۷½ تولہ سونا، یا ۵۲½ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مالک ہو، اس پر قربانی کرنا واجب ہے، قربانی میں بکرا یا بھیڑ یا دنبہ یا ساتواں حصہ اونٹ، گائے، بیل، بھینس کا ایک آدمی کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ جن جانوروں میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں وہ سات سے کم تعداد کے لئے بھی جائز ہیں، بکرا ایک سال کا ہونا چاہئے، اور بھیڑ، دنبہ اگر موٹا ہو اور چھ ماہ سے زائد کا ہو تو ہو سکتا ہے۔ اونٹ پانچ سال کا ہونا چاہئے، باقی بڑے جانور دو سال کے کافی ہیں۔ نر و مادہ دونوں کی قربانی جائز ہے۔

۵۔ قربانی کا گوشت وزن سے تقسیم کیا جائے، اندازے سے تقسیم نہ کریں۔ لیکن اگر کسی طرف پائے کھال بھی لگا دئے جائیں تو اندازہ سے بھی تقسیم کرنا درست ہے۔

۶۔ شہر والے قربانی بعد نماز کریں اور اگر کسی عذر سے اس دن نماز نہ ہوئی تو جس وقت نماز کا وقت گذر جائے اس وقت قربانی کرنا درست ہے، یعنی بعد زوال کے، اور دوسرے تیسرے دن نماز سے پہلے بھی قربانی جائز ہے، اسی طرح بارھویں تاریخ کو بھی۔ اور گاؤں والوں کو دسویں تاریخ کی صبح صادق ہونے کے بعد بھی قربانی کرنا درست ہے۔

۷۔ قربانی کے تین دن ہیں۔ دسویں، گیارہویں، بارھویں ذی الحجہ کی۔ مگر پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے، پھر دوسرے دن، پھر تیسرے دن۔ غروب آفتاب سے پہلے قربانی ہو سکتی ہے۔

۸۔ رات کو قربانی کرنا جائز ہے، پسندیدہ اور بہتر نہیں۔

۹۔ اپنی قربانی کو خود ذبح کرنا بہتر ہے، اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے ذبح کرانے کے وقت خود وہاں کھڑا ہونا بہتر ہے۔

۱۰۔ قربانی کے وقت کوئی نیت زبان سے پڑھنا ضروری نہیں۔ اگر صرف دل میں خیال کر لیا کہ میں قربانی کرتا ہوں اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ صرف بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ کہہ کر ذبح کر دیا تب بھی قربانی درست ہے، لیکن اگر دعا ماثورہ جو آگے آتی ہے، پڑھیگا تو بہتر ہے اور ثواب زیادہ ہے۔

۱۱۔ جب قربانی کو قبلہ رخ لٹا دے تو یہ دعا پڑھے۔ "اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ - اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ -

۱۲- ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِيْلِكَ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ -

۱۳- بہتر یہ ہے کہ قربانی کا گوشت ایک تہائی غرباء و مساکین پر صدقہ کرے، ایک تہائی اپنے دوستوں کو دے، اور ایک تہائی اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے رکھ لے، جس شخص کا کنبہ بہت ہو یا اور کوئی ضرورت ہو تو تمام گوشت خود خرچ کر سکتا ہے۔ البتہ فروخت کرنا منع ہے۔

۱۴- جس شخص کے ذمہ قربانی واجب نہ تھی مگر اس نے قربانی کی نیّت سے کوئی جانور قربانی کا خریدا تو اس کے ذمہ اس کا قربانی کرنا واجب ہو گیا، اسکو فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر قربانی کے دن گذر گئے اور اس نے اس جانور کو ذبح نہ کیا تو زندہ کو اللہ کے واسطے محتاجوں کو دے دینا چاہیئے۔ غنی اور نذر کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے۔

۱۵- جس شخص کے ذمہ قربانی واجب ہے، اگر قربانی کے دن گذر جائیں اور قربانی نہ کرے تو اس کے ذمہ قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

۱۶- جس جانور کے سینگ پیدائشی نہ ہوں اس کی قربانی درست ہے۔ اگر بیچ میں سے ٹوٹ گیا ہو تب بھی قربانی درست ہے۔ اگر جڑ سے اکھڑ گیا ہو تو درست نہیں۔ اور بدھیا کی قربانی بھی درست ہے، خواہ مل کر بدھیا کیا گیا ہو یا نکال کر، اندھے اور کانے کی قربانی درست نہیں اور ایسے دبلے جانور کی بھی درست نہیں جس میں مغز نہ رہا ہو، اور نہ ایسے لنگڑے کی جو مذبح تک نہ جا سکے اور نہ ایسے جانور کی جس کی بیماری ظاہر ہو اور نہ ایسے جانور کی جس کا تہائی سے زیادہ کان کٹا ہوا ہو، یا تہائی سے زیادہ دُم کٹی ہوئی ہو، اور نہ اس جانور کی جس کے دانت نہ ہوں۔ البتہ تھوڑے سے گر گئے اور زیادہ باقی رہے تو جائز ہے۔

۱۷- چرم قربانی کو بدون فروخت کرنے کے اپنے کام میں لا سکتا ہے۔ یعنی ڈول وغیرہ اس سے بنا سکتا ہے، خود اس کو فروخت کرنا نہیں چاہئے۔ لیکن اگر فروخت کر دیا تو فروخت کرنے کے بعد اسکی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اور قصاب کی اُجرت قربانی میں سے دینا جائز نہیں اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ایک روایت ہے کہ چرم قربانی کو صدقہ کرنے کے لئے فروخت کرنا درست ہے۔

۱۸- چرم قربانی یا اس کی قیمت کسی معاوضہ میں دینا مثلاً امام و مؤذن کو بسبب اسکی امامت و اذان

کے دینا درست نہیں ہے، اور طالبانِ علمِ دین اس کے بہترین مصرف ہیں کہ اس میں دوہرا ثواب ہے۔ صدقہ کا اور اشاعتِ علمِ دین کا۔

طالبانِ علمِ دین کی مدارات اور ان کے ساتھ ہر قسم کے سلوک کرنے کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتاکید امر فرمایا ہے:

(عن ابی سعید الخدری رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الناس لکم تبع وان رجالاً یاتونکم من اقطار الارض یتفقہون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوا بھم خیراً۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رض روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رض کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ "تمام آدمی تمہارے تابع ہیں اور اطرافِ عالم سے تمہارے پاس بہت سے آدمی علمِ دین سیکھنے اور دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لئے آویں گے۔ سو وہ جب تمہارے پاس آویں تو میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ (دار العلوم دیوبند)

حضرتِ اقدس مولانا خیر محمد صاحب رح کی سوانح حیات

حضرتِ اقدس رح نے اپنے خاندانی اور نجی حالات کو ایک یادداشت میں قلمبند فرما لیا تھا۔ راقم الحروف نے اسکی نقل حضرت رح سے حاصل کر کے اسکی تکمیل کی اجازت بھی حاصل کی تھی۔ اب بعض اکابر و احباب کی خواہش پر بتوفیقہ تعالیٰ حضرت والا رح کی سوانح حیات کی تکمیل کا عزم کر لیا ہے مگر اس کیلئے حضرت رح کے تمام متعلقین و متوسلین اور مخلصین کے تعاون کی ضرورت ہے ایسے تمام حضرات سے درخواست ہے کہ براہِ کرم حضرتِ والا رح کے سوانحِ حیات میں قابلِ ذکر معلومات ارسال فرمائیں، ارسال کردہ مواد میں سے انتخاب کی اجازت ہونی چاہئے اور جو حضرات اصل تحریر واپس منگانا چاہیں انہیں نقل لے کر واپس کر دی جائے گی ۔۔۔ امید ہے تمام حضرات اس سلسلے میں راقم الحروف سے تعاون فرمائیں گے۔

ناچیز آفتاب احمد عفی عنہ
(مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی ۵)
اے ۱/۴ منگھو پیر روڈ۔ پاک کالونی کراچی ۱۶

محمد حفیظ اللہ پھلواردی ۔ کراچی

سلاطینِ عثمانیہ کی رواداری

کرۂ ارض پر مسلم حکومتیں جہاں بھی موجود تھیں، اُن کی عام اسٹیٹ پالیسی یہ تھی کہ غیر مسلموں کا خصوصیّت کے ساتھ خیال رکھا جائے۔ ان ہی مسلم حکومتوں میں سلاطین عثمانیہ کی بھی ایک باعظمت حکومت تھی، جہاں عیسائیوں اور یہودیوں کو غیر معمولی مراعات حاصل تھیں۔ پروفیسر گولڈ زیہر GOLD ZIHER اپنی کتاب لیسنز آف اسلام (LESSONS OF ISLAM) میں رقمطراز ہے کہ :

"جب سے سلطنتِ عثمانیہ عالم اسلام میں ایک چوٹی کی سلطنت تسلیم ہونے لگی، اس نے تشدد کی حکمت عملی کو مٹاکر ہاشمی اخوت اور اسلامی ہمدردی سے اپنے زیرنگیں اقوام کے دلوں کو مسخر کر لیا۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت جب ترکوں کی فتوحات نے ایک دنیا میں تہلکہ مچا رکھا تھا۔ عیسائیوں کو جو روزِ ازل سے اسلام کے مخالف چلے آتے ہیں، مراعات عطا کرنا ان کی مذہبی رواداری، نسلی بلند خیالی اور قومی ایثار کی ایک ایسی شاندار مثال ہے، جسکی نظیر اقوامِ یورپ کی تاریخ میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی، لیکن افسوس ہے کہ اس عیسائی مذہبی تعصب کی وجہ سے کسی احسان تک بھی یاد نہیں رکھتے۔"

ترکوں نے جب ایشیا اور یورپ میں فتوحات حاصل کیں تو اُن کا شروع ہی سے یہ رویہ رہا کہ وہ کسی فرقہ کے مذہبی یا معاشرتی معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے۔ اُن کی یہی پالیسی ایشیا میں تھی اور یہی پالیسی یورپ میں بھی قائم رہی، اور اسی مصالحانہ پالیسی کا یہ نتیجہ تھا کہ مفتوحہ اقوام اُن کی گرویدہ بن گئی تھیں، اور اپنے ہم مذہبوں کی حکومت پر مسلمانوں کی حکومت کو ترجیح دیتی تھیں۔ ترکوں نے صرف اسی حد تک نہیں کیا کہ غیر مسلموں کو ہر قسم کی آزادی عطا کر دی۔ بلکہ اس سے بڑھ کر انہوں نے یہ کیا کہ ہر مذہبی فرقہ کو اپنا جداگانہ قومی نظام قائم کرنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں اور انہیں ایسی اجتماعی آزادیاں بخش دیں، جو ایک خود مختار سلطنت کی خود مختاری کے قطعاً منافی ہیں۔

اس طرح انہوں نے غیر مذاہب والوں کو ایسے امتیازات عطا کئے جو آج تک کسی حکمران قوم نے دوسری قوم کو نہیں دئے، اور یہ سب کچھ انہوں نے اس زمانہ میں کیا جبکہ دنیا میں مذہبی تعصب عام تھا۔ اور جبکہ دنیا کی کوئی سلطنت ان سے زیادہ قوی نہ تھی، اور اقلیتوں کا سوال اٹھانے کی کسی کو جرأت تو کیا کسی کے دل میں تصور بھی نہیں آسکتا تھا۔

ایڈمنڈ انگلہٹ ——— سابق سفیر متعینہ قسطنطنیہ لکھتا ہے:

"جو رعایت اور خاص حقوق عیسائی باشندوں کو سلطنت میں حاصل ہیں وہ خالص مذہبی ہیں اور مذہبی آزادی کی حیرت انگیز مثال پیش کرتے ہیں۔ تمام اقوام کو نہایت وسیع ملکی حقوق حاصل ہیں، اور ایک طرح سے انہیں اپنی اندرونی اور عائلی زندگی میں ایسی خود مختاری حاصل ہے، جو کسی دوسری سلطنت نے اپنی رعایا کو عطا نہیں کی۔ (دی ٹرکس ——— (فرنچ) ص ۲۷)

۱۸۵۶ء میں عہدنامہ پیرس کے مبادیات طے کرنے کے لئے جو کمیشن قسطنطنیہ گیا تھا اس نے دوران مباحثہ میں اس امر کو تسلیم کیا کہ ترکی میں رعایا کو جو حقوق و مراعات حاصل ہیں، وہ اس قدر غیر معمولی ہیں کہ خود مختار حکومت بہ مشکل اس کو گوارا کر سکتی ہے۔ ان سب کے ساتھ عیسائی اقوام ان ملکی سیاسی حقوق سے بھی مستفید ہوتی ہیں، جو عام قانون کی رو سے ترکوں کو حاصل ہیں۔ اسطرح ترک خود اپنے ہی ملک میں قلیل التعداد جماعتوں سے قانون میں فروتر ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی حکومت بھی ایسی ہے جو بے تعصبی کی ان مثالوں میں ایک بھی مثال پیش کر سکتی ہے؟

ترکوں نے جب ایشیا میں فتوحات حاصل کیں تو ان کا ہمیشہ سے یہی رویہ رہا کہ وہ کسی قوم کے مذہبی یا معاشرتی معاملات میں دخل نہ دیتے۔ یہی پالیسی انہوں نے بازنطینی سلطنت کے جو علاقے فتح کئے وہاں بھی قائم رکھی۔ اور اس مصالحانہ اور فیاضانہ پالیسی کی بدولت مفتوحہ اقوام بلا چون و چرا ترکوں کی حلقہ بگوش ہوتی گئیں۔

سلطان ارخان نے اعلان کیا تھا کہ:

"سلطنت عثمانیہ میں عیسائیوں کو وہی درجہ اور حقوق حاصل ہوں گے۔ جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ ان کے گرجے اور معابد محفوظ رہیں گے۔ نئے گرجوں اور معابدوں کی تعمیر کی کامل آزادی ہوگی عیسائیوں کی جان و مال اور آبرو کے تحفظ کی سلطنت ترکیہ ذمہ دار ہوگی۔ اگر کسی عیسائی کو ایک خراش بھی آئے گی تو ایسا کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی، اور عیسائیوں کو ان کے نقصانات کا معاوضہ دیا جائے گا۔"

بازنطینی کا مورخ جس نے قسطنطنیہ کی فتح کا حال لکھا ہے، لکھتا ہے کہ:

" بایزید جیسا حشم ناک سلطان بھی عیسائیوں کے ساتھ فیاضی اور دریا دلی سے پیش آیا اور عیسائیوں کو اپنے دربار میں داخل کر کے ان کے دلوں کو تسخیر کیا۔"

سلطان مراد ثانی کو عدالتوں کے انتظام کی طرف توجہ کرنے سے نہایت شہرت حاصل ہوئی اور ان تمام خرابیوں کی اصلاح ہوگئی، جو عیسائی شہنشاہان روم کے وقت کی تھیں۔ ترکی حکام میں سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے رعایا پر ظلم کئے، سخت سزائیں دیں۔

یونانی ادبیات کا مشہور مورخ کروم باخر لکھتا ہے:

"قسطنطنیہ کے سقوط کے عین ماقبل زمانے میں بیزنطینیوں کو لاطینی اہل مغرب سے کچھ اتنی شدید نفرت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ اسلام سے نفرت پر غالب آگئی تھی اور بکثرت تالیفوں میں نہ صرف یہ سوال اٹھایا جانے لگا کہ ـــــ کیا مسلمانوں کے ہاتھوں میں پڑنا لاطینیوں کے ہاتھوں میں پڑنے سے بہتر نہ ہوگا۔؟ اس سوال کا اثبات میں جواب دیا جاتا رہا۔"

قسطنطنیہ کو جب سلطان محمد فاتح نے فتح کر لیا تو عیسائی لرز رہے تھے کہ نہ جانے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ لیکن عیسائی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کی دیرینہ دشمنی کے باوجود ان کے ساتھ بڑی رواداری اور محبت کا سلوک کیا گیا۔ انہیں مذہبی رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی دے دی گئی، اور گرجاؤں کا تحفظ کا پورا انتظام کر دیا گیا۔

مسٹر آرنلڈ سلطان کی اس رواداری پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے اور شہر میں امن ہونے کے بعد پہلا انتظام یہ کیا کہ یونانی کلیسا کا حامی اور سرپرست بنا تاکہ عیسائی اسکی اطاعت قبول کریں۔ عیسائیوں پر سختی ہونے کی ممانعت کر دی اور ایک فرمان جاری کیا جس کے بموجب قسطنطنیہ کے لئے بطریق کو اور اس کے جانشینوں اور ماتحت اسقفوں کو قدیم اختیارات جو حکومت سابقہ میں ان کو حاصل تھے، دئیے گئے اور جو ذریعے اُن کی آمدنی کے تھے وہ بحال ہوئے، اور جن قواعد سے مستثنیٰ تھے، اُن سے مستثنیٰ کئے گئے۔ گنادوس کو جو ترکوں کی فتح کے بعد قسطنطنیہ کا پہلا بطریق ہوا، سلطان نے اپنے ہاتھ سے وہ عصا عنایت فرمایا جو اُس کے منصب کا نشان تھا، اور ایک خریطہ جس میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں اور ایک گھوڑا جس پر بہت تکلف کا سامان تھا، اُس کو دیا، اور اجازت دی کہ وہ اپنے قدیم سامان جلوس کے ساتھ شہر میں سوار ہو کر دورہ کرے۔

عیسائیوں کو اختیار دیا گیا کہ مذہبی رسوم اپنے اپنے دستور کے مطابق علی الاعلان ادا کریں۔ (سنلے تیسری جلد)

سلطان محمد ثانی کے عہد حکومت میں بہت سے ممتاز اور شریف عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یورنڈ سائرس ایک عرصہ دراز تک امریکی مشنری کی حیثیت سے ترکی میں مقیم رہے ہیں انہوں نے اپنے طویل دوران قیام میں ترکوں کو اچھی طرح دیکھا اور پرکھا۔ وہ ترکی کے مسلمانوں کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ترکی افسر عموماً مہربان ہوتے ہیں۔ تمام تکالیف اور مصائب جو پروٹسٹنٹ مشن کو ترکی میں برداشت کرنی پڑی ہیں اس کے باعث وہ عیسائی رہنما اور کلیسا ہیں جو پروٹسٹوں کے مخالف ہیں۔ ترکی عموماً متحمل مزاج واقع ہوئے ہیں۔ قرآن میں خصوصیت کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اہل کتاب کو یعنی اُن مذاہب کے ماننے والوں کو جو الہامی کتاب رکھتے ہیں، آزادی دینا چاہئے اور اس حکم کے بموجب عیسائیوں کے متعدد فرقے نیز یہودی اسلامی سلطنت کی حفاظت میں آ گئے ہیں۔ اور بڑے آرام سے ہیں۔ روسیوں اور ترکوں میں یہی تو فرق ہے کہ ترکی میں عیسائیوں کے تمام فرقے مسلمانوں کی طرح آزادی کے ساتھ اپنے مدرسے اور کنیسے قائم کر سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اپنے مذہب میں بھی داخل کر سکتے ہیں، لیکن روس میں کسی کو بھی مذہبی آزادی حاصل نہیں۔ ترک لڑائی کے وقت نہایت خونخوار اور وحشی ہیں، لیکن صلح کے زمانے میں بہت متحمل المزاج ہوتے ہیں۔ مسیحی مذہب اور رعایا کے حق میں یقیناً یہ بہتر ہو گا کہ ترک یورپ میں رہیں۔"

اگر آل عثمان میں سے کبھی کسی سلطان نے رواداری کے راستہ سے ہٹنے کی کوشش کی مسلم علماء نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ تاریخوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک مرتبہ سلطان سلیم اوّل نے جو عثمانیوں میں سے سب سے جابر حکمران تھا، مفتی اعظم شیخ جمالی سے دریافت کیا کہ "ملک کا فتح کرنا بہتر ہے یا اقوام عالم کا مسلمان بنانا۔۔؟" مفتی اعظم نے فرمایا۔۔۔ "لوگوں کو مسلمان بنانا زیادہ ضروری ہے۔" مفتی اعظم کے اس فتوے کے بعد سلطان سلیم نے عمال کو یہ ہدایت کر دی کہ وہ ترکی عوام کو مسلمان بنانے کی کوشش کریں۔ اور کہا کہ میری سلطنت میں جو غیر مسلم نظر آئے گا، اُسے قتل کر دیا جائے گا۔"

علامہ جمالی کو جب اس اعلان کا علم ہوا تو فوراً سلطان کے پاس گئے اور کہا :

"میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ میرا مطلب یہ تھا، کہ

دعوت و تبلیغ کے ذریعہ غیر مسلموں کو حلقۂ اسلام میں داخل کرنا ملک فتح کرنے سے بہتر ہے، لیکن آپ جو طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، قرآن پاک ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ غیر مسلموں سے جزیہ لے کر ان کے مذہب کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیا جائے۔"

یہ سن کر سلطان سلیم نے اپنا حکم واپس لے لیا۔ خالدہ ادیب خانم فرماتی ہیں کہ "شیخ الاسلام جمالی آفندی نے کہا کہ سلطان محمد فاتح نے رعایا کو جو مذہبی آزادی عطا کی ہے، سلطان سلیم کو ان کے حقوق کے بارے میں شبہ تھا۔ شیخ الاسلام نے تین بڈھے جن کی عمر سو سو سال سے بھی زیادہ تھی، گواہ کے طور پر پیش کئے۔ یہ تینوں سلطان محمد فاتح کے جھنڈے کے نیچے لڑ چکے تھے، اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ واقعی یہ حقوق عطا کئے گئے تھے۔ سلطان سلیم کو یہ خیال ترک کر دینا پڑا کہ لوگوں کو جبراً مسلمان کر کے سلطنت میں اتحاد پیدا کرے۔

یہ واقعہ کئی پہلوؤں سے اہمیت رکھتا ہے۔ ایک تو یہ کہ سلیم کا ساتھی جس نے خدا جانے کتنے وزیروں کو قتل کرا دیا، شیخ الاسلام کے آگے جو قانون اور شریعت کا نمائندہ ہے سر جھکا دیتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت تک سلطنت عثمانی کا نظام اور اس کے اصول بڑے بڑے سلطان کی شخصیت سے زیادہ قوی تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جمالی آفندی اور تینوں بوڑھے سپاہیوں میں عثمانی قومیت کا احساس اس حد تک موجود تھا کہ وہ دل سے چاہتے ہوں کہ سارا ملک مسلمان ہو جائے، مگر انہوں نے اپنی سلطنت کے اصول کی حمایت فرض سمجھی۔

یونان کی فتح کے بعد ترکوں نے یونانی عیسائیوں کے ساتھ جیسی رواداری اور محبت کا سلوک کیا۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے ایل سن فلپس اپنی کتاب "یونان کی جنگ آزادی" میں لکھتا ہے:

"سلطان کی عیسائی رعایا اپنے مذہبی ارکان کے ادا کرنے، دولت جمع کرنے، اور جس طرح چاہے تعلیم حاصل کرنے میں بالکل آزاد تھی۔ عیسائی کلیسا نیز حکومت کے اونچے درجہ تک ترقی کر سکتا تھا، ترجمان باب عالی یا کسی صوبہ کا گورنر ہو سکتا تھا۔"

سلطان سلیمان ثانی کا وزیر مصطفیٰ کوبرلی عیسائیوں کے حقوق کا خصوصیت کے ساتھ خیال رکھتا تھا۔ اگر کسی ترکی افسر کے ہاتھوں عیسائیوں پر زیادتی ہوتی تو اُسے سخت سزا دی جاتی۔ اس نے احکام جاری کر رکھے تھے کہ جب سلطانی فوج عیسائی آبادی سے ہو کر گذرے اور اُسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو بازار کے نرخ کے مطابق نقد قیمت ادا کر کے اشیاء خریدے۔ زبردستی کوئی چیز نہ لی جائے۔

سلطان محمود ثانی نے ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے جو کچھ کہا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ترکوں کی اسٹیٹ پالیسی کیا تھی۔ سلطان کے الفاظ یہ تھے:

"مسلمان صرف مسجدوں میں مسلمان سمجھے جائیں، عیسائی گرجوں میں، اور یہودی اپنی عبادت گاہوں میں یہودی تصوّر کئے جائیں، لیکن جب۔ اپنی عبادت گاہوں سے باہر ہوں جہاں وہ صرف ایک ہی معبود کی عبادت کرتے ہیں۔ تو وہ یکساں سیاسی حقوق اور میری پدرانہ حمایت سے بالمساوات متمتع ہوں۔"

مورّخ ڈریپر کا بیان ہے کہ "انصاف و عدالت اور مذہبی بے تعصبی میں اپنے عہد کے تمام عیسائی دنیا پر ترکوں کو وہی فوقیت رہی ہے، جو چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کو تنزل یافتہ بیزنطائین کے مقابلہ میں تمام یورپ پر حاصل تھی۔"

پندرھویں صدی کے اخیر میں ہسپانیہ کے مظلوم یونانی جب کلیسائی حکومت کے مظالم سے تنگ آکر وطن سے نکلے تو انہوں نے سلطنت عثمانیہ کے دامن میں ہی پناہ لی۔ اٹھارویں صدی کے کچھ روز پہلے سلیشیا کے پروٹسٹنٹ بھی اسی تمنا میں رہتے تھے کہ جب موقع ملے ترکی ممالک میں جاکر آباد ہوں۔ ۱۷۳۶ء میں جب کاسک روسی بے گھر ہوئے تو انہیں بھی کہیں پناہ ملی تو آلِ عثمان کے دامن میں ملی۔

کرنل جیمس بکیر کا حسب ذیل تاریخی بیان خاص طور پر قابل مطالعہ ہے کہ ایک شخص جارج برنکویچ نے جو گریک چرچ کا پیرو تھا، ایک رومن کیتھولک شخص ایناڈس سے پوچھا کہ اگر تم کسی مسلم ملک میں فتح یاب ہو جاؤ تو کیا کروگے؟ اس نے جواب دیا کہ تمام باشندوں کو جبراً رومن کیتھولک بناؤں گا۔ اس کے بعد برنکوویچ سلطان ترکی کی خدمت میں گیا اور ان سے سوال کیا کہ اگر تم کسی عیسائی ملک پر فتح یاب ہو جاؤ تو کیا کروگے؟ وہاں سے اُسے جواب ملا کہ میں ہر مسجد کے قریب ایک گرجا بناؤں گا۔ اور تمام لوگوں کو اجازت دوں گا کہ وہ اپنے اپنے مذہب کے مطابق خواہ مسجدوں میں سجدہ کریں یا گرجاؤں میں صلیب کے سامنے جھکیں۔ جب اہل سرویا نے یہ سنا تو انہوں نے لیٹن چرچ کے محکوم بننے کے مقابلہ میں سلطان کی اطاعت کو زیادہ پسند کیا۔ (ٹرکی اِن یورپ از جیمس بکیر ص ۲۷۹)

ایک مقام پر لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مفتی سے دریافت کیا گیا کہ اگر گیارہ مسلمان کسی ایسے عیسائی کو بے گناہ قتل کردیں جو بادشاہ کی رعیت ہو اور جزیہ بھی ادا کرتا ہو تو کیا کیا جائے گا؟ مفتی نے جواب دیا کہ اگر ایک ہزار اور ایک مسلمان بھی ہوں گے تب بھی وہ سب کے سب قتل کئے جائیں گے ص ۱۶۲

چارلس ولیم لکھتا ہے کہ : میں بلا تامل اس امر کا اظہار کرتا ہوں کہ ترکی حکام حکومتِ عثمانیہ کے اس حصہ میں عیسائیوں اور یہودیوں سے نہایت درجہ مصالحت کا برتاؤ کرتے تھے اور میں نے کبھی کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں سنا جس میں انہوں نے ان سے برا برتاؤ کیا ہو یا بڑے جھگڑے ہوں۔ درحقیقت جہاں تک میرا تجربہ ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان عیسائیوں کے معاملہ میں بہت متحمل ہیں۔ عیسائیوں کو وہی حقوق اور رعائتیں حاصل ہیں جو ان کے مسلمان بھائیوں کو۔ اور اگرچہ انصاف بہت مستعدی کے ساتھ نہیں کیا جاتا، لیکن بے رو رعایت کیا جاتا ہے۔

مورخ اسٹینلے لین پول لکھتا ہے : عیسائی آبادی کے ساتھ عثمانی سپاہیوں اور افسروں کا رویہ بہتر تھا، وہ انہیں اہلِ کتاب کا درجہ دیتے تھے، اور کسی قسم کی سختی نہ کرتے تھے، عثمان کی اسلامی رواداری اور اس کی اچھی حکومت سے متاثر ہو کر کوسہ میکائل نامی عظیم رومی لیڈر اور کمانڈر نے اسلام قبول کر لیا، اور عثمانی حکومت کی توسیع میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ اس عیسائی خاندان نے صدقِ دل سے اسلام قبول کیا اور رومی جانبازوں کے چھکے چھڑا دئیے۔ یہی نہیں بلکہ اور بہت سے عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ اسلام کے اخلاقی اصولوں کی زبردست فتح تھی۔ (سلاطینِ ترکیہ)

ایشیائے کوچک میں جو عثمانیوں کی طاقت کا مرکز اور ان کا گہوارہ تھا۔ اور جہاں وہ کافی اکثریت میں تھے، سلطان (عبدالحمید) کی عیسائی رعایا کا جائزہ لینے کے بعد لوسگنان لکھتی ہے کہ اعلیٰ عہدوں پر عیسائیوں کی تعداد آئرلینڈ میں کیتھولک نیشنلسٹ مجسٹریٹوں سے کہیں زیادہ ہے اور ملکہ وکٹوریہ حکومت کی بہ نسبت سلطان عبدالحمید کے زیرِ سایہ مذہب کسی شخص کی ترقی میں بہت کم مانع ہوتا ہے۔ ایشیائی روم میں بہت کم مانع ہوتا ہے۔ ایشیائی روم میں اکثر صوبوں کا انتظام عیسائی گورنروں کے سپرد ہے اور بے شک تکالیف ان ہی گورنروں کے تعصب اور ان کی مذہبی عداوت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ (لین پول)

جدید عثمانی قانون کی رو سے سرکاری خدمات کے لئے کوئی نسلی و مذہبی امتیاز نہیں ہے۔ ہر شخص کا حق مساوی تسلیم کیا گیا ہے اور سب حکومت کے دفاتر میں بغیر امتیاز مسلم اور غیر مسلم جگہ پا سکتے ہیں۔ (دنیا کا جغرافیہ جدید مرتبہ ایلیسی ایطیس ص ۲۵۸)

مولانا مہر محمد صاحب

حدیث و سنّت

قرآنِ کریم کی روشنی میں

اس قسم کی آیات بکثرت ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو فرض قرار دیا گیا ہے، ان تمام کا احاطہ تفصیل طلب ہے۔ چند مقامات جنمیں اطیعوا سے حکم دیا گیا ہے یہ ہیں۔ پ ۳/۱۲ع، ۴/۵ع، ۷/۲، ۹/۱۵ع، ۱۰/۲، ۱۶/۱۴، ۱۸/۱۳، ۲۶/۲۸، ۲۸/۲-۱۶۔

یہ آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن میں مستقل طور پہ دو الگ الگ جملوں میں اللہ تعالیٰ اور آپ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اور دونوں کی نافرمانی پہ عذاب کی وعید اور دونوں کی اتباع پہ اخروی نجات وفلاح کا وعدہ کیا گیا۔ ایسی آیات کافی ہیں۔ مثلاً واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا۔ اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو۔

بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں جملے کے عطف جملے پہ نہیں بلکہ لفظ رسول کا عطف اللہ پہ ہے۔ اور اطاعت وفرمانبرداری کے ضروری ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ ان میں بھی صراحتاً رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کی طرح واجب ٹھہرایا گیا۔ اگرچہ مستقل دو جملوں والی آیات ان سے ابلغ ہیں۔ اور اوفی بالمقصود ہیں۔

اطاعت کے معنی (گردن نہادن) یعنی تعمیل حکم اور فرمانبرداری کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اسکی الہامی کتاب (قرآن کریم) پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ جس کے اوامر میں ایک امر اطاعتِ رسول بھی ہے۔ اور نواہی میں عصیانِ رسول سے ممانعت بھی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی اطاعت کرانے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ مستقل طور پر اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا تو اس سے صرف آپکی تلاوتِ آیاتِ قرآنیہ کا استماع اور ان کی تعمیل مراد نہیں۔ کیونکہ آیاتِ قرآنیہ کی تعمیل تو اطیعوا اللہ کے حکم میں آگئی۔ اگر دونوں کو گڈمڈ کر کے صرف قرآن کی تعمیل کا مصداق بنایا جائے تو کلام باری تعالیٰ میں ایک کا ذکر بے فائدہ اور عبث ہوگا جو کلام باری میں ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں عطف کی اصل وضع اصول نحویہ کی رو سے مغایرت اور الگ الگ حکم سے

بیان کے لئے ہے۔ کیونکہ تاکید سے تاسیس اولی ہے۔ اور عطف تفسیری مجازاً ہوتا ہے۔ اور وہ بھی وہاں جہاں اسکی مجازیت پر قرائن واضحہ موجود ہوں۔ مگر ان آیات کا سیاق وسباق اور شان نزول قطعاً اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ یہاں عطف تفسیری نہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کی تعمیل۔ عصیان سے رکنے اور آپ کے فیصلہ جات پر بلا چون وچرا رضامند رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ احکام صرف وہی نہیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ حرام وحلال چیزیں صرف وہی نہیں۔ جنکا ذکر قرآن عظیم میں آچکا ہے۔ بلکہ بہت سے احکام اور بہت سی چیزوں کی حلت و حرمت اللہ تعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی اور آپؐ نے امت پر واضح کر دی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عن المقدام بن معدیکرب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن والمثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ماحرم رسول اللہ کما حرم اللہ الا لایحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع ولا لقطہ معاھد الا ان یستغنی عنھا صاحبھا۔ الخ	حضرت مقدام بن معدیکربؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو بیشک مجھے (اللہ کیطرف سے) قرآن اور اس جتنے اور احکام بھی دئے گئے ہیں عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ آسودہ حال آدمی کرسیوں اور بنچوں پر تکیے لگا کر کہے گا۔ کہ لوگو تم پر صرف قرآن کی اطاعت واجب ہے۔ اس میں جو چیز حلال معلوم ہو۔ اسے حلال سمجھو اور اس سے جو چیز تمہیں حرام معلوم ہو، حرام سمجھو۔ اور سنو! اللہ کے رسول

نے بھی بعض چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔ جیسے اللہ نے حرام فرمایا ہے۔ خبردار تمہارے لئے پالتو گدھے حلال نہیں ہیں۔ اور کچلیوں سے چیر پھاڑ کرنے والے درندے حلال نہیں۔ اور کسی معاہد قوم (کافر) کی گری پڑی چیز حلال نہیں۔ مگر یہ کہ اس کا مالک اس سے مستغنی ہوجائے۔ (مشکوٰۃ ص۲۹۔ بحوالہ ابوداؤد والدارمی وابن ماجہ)

ایک دوسری حدیث میں یوں ہے کہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مجلس سے اٹھے اور فرمایا:

ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ	کیا تم میں سے کوئی شخص بنچوں پر تکیہ لگا کر یہ

يظن ان الله لم يحرم شيئا الا ما فى هذا القرآن الا وانى والله قد امرت ووعظت ونهيت عن اشياء انها لمثل القرآن او اكثر — الخ (مشکوٰۃ صـ۲۹ رواہ ابوداؤد)

گمان کرے گا کہ اللہ نے صرف وہی کچھ حرام کیا ہے جو قرآن میں مذکور ہے۔ خبردار بیشک اللہ کی قسم میں نے بھی بہت سی چیزوں کا حکم دیا۔ اور وصیت کی اور بہت سی چیزوں سے منع کیا ہے۔ جو قرآن جتنی ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔

یہ دو حدیثیں زمانہ حال کے منکرین حدیث کے متعلق حرف بحرف صحیح پیشگوئی ہیں۔ اعاذنا اللہ من مصداقہ۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو شرعاً حجت تسلیم نہ کیا جائے تو حلال و حرام کا دائرہ بہت ہی محدود ہوگا۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں تو بنیادی طور پر صرف ان چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے۔ جنکو مشرکین عرب بلا دلیل حلال سمجھتے تھے اور اس کے مقابل اپنی طرف سے بعض چیزوں کو حرام ٹھہرا رکھا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کرواتے ہیں:

قل لا اجد فيما اوحى الى محرما على طاعم يطعمه الا ان يكون ميتة او دما مسفوحا او لحم خنزير فانه رجس او فسقا اهل لغير الله به (الانعام - ع - ۱۸)

آپ فرما دیجئے جو وحی میری طرف کی گئی ہے اس میں کھانے والے پر میں کسی چیز کو حرام نہیں پاتا۔ جو اسکو کھاوے۔ مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا سور کا گوشت ہو کیونکہ وہ (تمام اجزا سمیت) ناپاک ہے۔ یا ناجائز ذبیحہ ہو جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔

یہ آیت تقریباً اسی مضمون سے دیگر تین مقامات پر بھی آئی ہے، جس میں ان چار قسم کی چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حصر حقیقی نہیں۔ کہ ماکولات میں صرف یہی چار چیزیں حرام ہوں اور باقی دنیا کی سب چیزیں حلال ہوں۔ بلکہ یہ حصر اضافی ہے۔ اور ان جانوروں کی بہ نسبت ہے جن کو مشرکین از خود حرام سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ دودھ اور رکوب و بار برداری کے منافع بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے سمجھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ چیزیں قطعاً حرام کی ہیں۔ مگر بعض کو تم حلال سمجھ بیٹھے ہو۔ اور ان کے علاوہ بحیرہ سائبہ اور حام وصیلہ جانور تو حلال کئے ہیں، مگر تم از خود انہیں حرام سمجھتے ہو۔

معلوم ہوا کہ اس آیت میں حرام و حلال سب اشیاء کی تفصیل نہیں۔ بلکہ بہت سی چیزوں کی

حلت وحرمت اور ان کے احکام کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر موقوف کردی، چنانچہ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ میں فرماتے ہیں :

يامرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ۔ الآیۃ ۔ اعراف ۔ ع ۱۹

وہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے ۔ اور بُری باتوں سے روکتا ہے ۔ اور ان کے لئے پاکیزہ وستھری چیزوں کی حلت بیان کرتا ہے ۔ اور گندی وناپاک چیزوں کی حرمت بیان کرتا ہے ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اشیاء کی حلت وحرمت کی تبیین شارع علیہ اسلام کا ایک اہم اور مستقل منصب ہے جسکی بدولت وہ امت کے سامنے اشیاء کے شرعی احکام تفصیلاً بیان کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ دیگر آیات میں بھی تحریم وتحلیل کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف کی گئی ہے ۔ تحلیل وتحریم کی بہ نسبت آقاء نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اگرچہ مجازی اور تبیین کے درجے میں ہے ۔ (کیونکہ نصوص قطعیہ صریحہ کے علاوہ باجماع امت محلل ومحرم اور شارع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے ۔ نبی اور رسول تو وحی خفی کے ذریعہ اس کے احکام کا مبین اور شارح ہوتا ہے ۔ لہٰذا ان آیات سے آپ کے مختار کل وفعال لمایرید ہونے یا شارع حقیقی ہونے پر اہل بدعت کا استدلال قطعاً غلط ہے ۔ مگر ان سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ بہت سی اشیاء کی حلت وحرمت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے ۔ اسی کا نام سنّت وحدیث ہے اور ہمارے لئے قابلِ تسلیم اور واجب العمل ہے ۔

اب اگر قرآن کریم کی مذکورہ آیات کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر صرف ان چار قسم کی چیزوں کو حرام مانا جائے اور آپکی حلال وحرام فرمودہ اشیاء کو چھوڑ دیا جائے تو بہت سی حلال چیزوں کو ہم اس لئے چھوڑ بیٹھیں گے کہ ان کی حلت کا قرآن کریم میں صاف ذکر نہیں، اور دیگر شرعی دلیل ہمارے لئے حجت نہیں تو یہ چیز مشتبہ بین الحرام والحلال ٹھہریں تو عقلاء کے قانون مسلمہ کے پیش نظر مشتبہ اور خطرناک چیز سے بچنا بہتر ہے ۔ اور بہت سی حرام چیزوں کو ہم حلال سمجھیں گے ۔ کیونکہ قرآن میں ان کی حرمت کا وجود نہیں اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اجماع امت کی حرمت حجت نہیں ۔ تو اسطرح تو کتا، بھیڑیا، بلی، چوہا، چیل، گدھ وغیرہ قطعی حرام جانوروں کی حلت لازم آئے گی العیاذ باللہ ۔

الغرض آپکی بیان کردہ حلت وحرمت یقیناً حجت ہے اور سورۃ اعراف مذکورہ آیت کریمہ حجیت حدیث پر آفتاب نصف النہار کیطرح روشن دلیل ہے ۔

ایک نکتہ | جن آیات میں اطاعۃ اللہ کیطرح اطاعت رسول کا صریح حکم ہے۔ منکرین حدیث ان سے یوں گلو خلاصی کراتے ہیں، کہ آپ کی اطاعت وقتی اور عارضی تھی۔ دائمی اور مستقل ہر امتی کیلئے نہ تھی۔ چونکہ آپ ان کے سربراہ مملکت، سپہ سالار یا حاکم اعلیٰ ہوتے تھے۔ تو اس حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات تک آپکی اطاعت کو واجب قرار دیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی اطاعت نہیں۔ بلکہ اس کے قائم مقام مرکز ملت کے احکام کی اتباع واجب ہے۔ (ملاحظہ ہو طلوع اسلام)

مگر ان کا یہ کہنا سراسر باطل اور جہالت کی بڑی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں بھی اطاعت کا حکم دیا اطیعوا اللّٰہ والرسول فرمایا۔ یعنی اپنی اطاعت کیلئے تو اپنا اسم ذاتی و جلالی لفظ اللہ جو تمام صفات کمالیہ کو جامع ہے۔ منتخب فرمایا۔ جس سے اشارہ نکلا کہ اس ذات کی اطاعت کہ وہ ازل سے ابد تک موجود رہے گی۔ اور اس کے حق میں فناء و عدم کا تصور ہی نہیں۔ لہٰذا اسماء صفاتیہ پر اسم ذاتی کو ترجیح دی۔ لیکن اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو آپ کے اسم ذاتی سے بیان نہیں فرمایا کہ: اطیعوا محمد ا او احمد کہا جاتا۔ تاکہ آپ کے وجود ذات سے اطاعت لازم ہوتی۔ اور نہ ہی کسی ایسے وصف سے ذکر کیا جو آپ کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ دیگر انبیاء علیہم السلام میں بھی مشترک ہے۔ اور تاقیامت اس کا انفکاک آپ سے ممکن نہیں۔ اور اسے فناء نہیں۔ اور وہ وصف رسالت ہے۔

تو اطیعوا الرسول۔ کہہ کر یہ اشارہ فرما دیا کہ نبی کی اطاعت بحیثیت وجود ذات یا حیات کے لازم نہیں ہوتی، ورنہ دعویٰ نبوت سے قبل بھی اطاعت فرض ہونی چاہیئے۔ بلکہ بحیثیت رسول اور نبی ہونے کے اطاعت فرض ہوتی ہے۔ مکان و زمان قوم و نسل کے لحاظ سے اگر نبوت محدود ہوگی تو اسکی اطاعت کا وجوب بھی اس طرح محدود ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں چونکہ محدود زمان و مکان اور خاص اقوام پر مشتمل تھیں۔ لہٰذا اب ہم پر ان کی اطاعت لازم نہیں۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک حدیث یوں آتی ہے۔

عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اتاہ عمر فقال انا نسمع احادیث من یہود تعجبنا افتری ان نکتب بعضہا فقال امتہوکون انتم کما تہوکت الیہود والنصاریٰ لقد

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کے پاس حضرت عمر فاروق اعظمؓ آئے اور کہا کہ ہم یہود سے کچھ باتیں سنتے ہیں جو ہمیں پسند آتی ہیں۔ آپ کیا اجازت دیتے

جئتکم بیضاء نقیۃ ولو کان موسیٰ حیا ماوسعہ الا اتباعی (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان) مشکوٰۃ ص ۳۰

ہیں کہ ہم ان سے کچھ لکھ لیا کریں۔ تو آپ نے خشمگیں ہوکر فرمایا: کہ کیا تم بھی (اپنی شریعت کے معاملے میں) یہود و نصاریٰ کی طرح متحیر ہونے والے ہو۔ بیشک میں

تمہارے پاس چمکدار شریعت اور ہر قسم کے نقائص سے پاک نظام لایا ہوں اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری اتباع کے بغیر انہیں کوئی چارہ کار نہ تھا۔

معلوم ہوا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کا نبوتوں کا زمانہ محدود تھا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے تاقیامت سراجاً منیراً (عالم دنیا کو نور ہدایت سے منور کرنے والا سورج) بن کر آنے سے انکی اطاعت واجب نہ رہی۔ اب صرف تاقیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی ہر شخص پر واجب ہے۔ مذکورہ ذیل آیت کریمہ سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کیلئے مطاع بن کر آیا۔ اور امت کے ہر فرد پر بعد از وفات نبی بھی اطاعت واجب رہی تا آنکہ دوسرا نبی مبعوث ہوا۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ ۔ النساء - ع - ۹

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ مگر صرف اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اسکی فرمانبرداری اور اطاعت کی جائے۔

جب وجوب اطاعت رسول اللہ کی اطاعت کی طرح وصف رسالت و نبوت کے ساتھ لازم ہے۔ تو وجوب اطاعت تا وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وہی شخص کر سکتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تا وفات (صرف ۲۳ سال کیلئے) نبی مانتا ہو اور بعد از وفات نبوت کا منکر ہو۔ مگر جو شخص حضور فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کو قل یایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً فرمادیجئے۔ اسے روئے زمین کے تمام لوگو میں تم سب کی طرف پیغمبر بن کر آیا ہوں ——— اور - وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً ونذیراً ۔ (سباء - ع ۳) ہم نے آپ کو (تاقیامت) تمام لوگوں کیلئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا ۔ (الفرقان - ع - ۱) برکات دہندہ وہ ذات ہے جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کے درمیان فارق کتاب اس لئے اتاری کہ وہ سب جہانوں کے لئے نبی ہو ——— جیسی آیت کریمہ کے پیش نظر خاتم الرسل والانبیاء اور تاقیامت ۔ بلا تفریق تمام اقوام و ملل اور روئے زمین کے ہر خطہ کے جن وانس کیلئے نبی برحق مانتا ہے۔ اور آپکی نبوت میں زمانی

مکانی یا قومی کسی قسم کی تخصیص نہیں سمجھتا۔ اور آپکی لائی ہوئی شریعت اور لائحہ عمل کو ہر زمانہ کیلئے کافی و شافی اور قابل عمل سمجھتا ہے۔ اور ہر زمانہ کے نشیب و فراز میں احکام قرآنی کی توضیح و تشریح کیلئے حدیث نبوی کی اہمیت اور ضرورت کا قائل ہے۔ وہ ایسی بیہودہ بات کی ہرگز جسارت نہیں کرسکتا۔

(ھذا ما عندی واللہ اعلم)

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور الرحیم۔ (آل عمران - ۴)

فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو ضرور میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔ اور تمہارے سب گناہ بخش دیگا۔ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

مومن کا مطلوب حقیقی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی کامل محبت ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالےٰ کے دربار میں اسے مقبولیت اور محبوبیت کا کچھ مقام حاصل ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے حصول کا واحد ذریعہ انحصار کرتے ہوئے بتاتے ہیں۔ کہ میری محبت و اطاعت میرے نبی کی اطاعت میں مضمر ہے۔ اسکی اطاعت کے بغیر میری اطاعت و محبت کا دعویٰ سراسر فریب ہے۔ تو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عقائد، عبادات، تبلیغ و ارشاد، سفر و حضر، امن و جنگ۔ معاملات و عقودات، سیاسیات، تہذیب و تمدن و اخلاق حسنہ اور معاشرتی امور وغیرہ ہر امر میں رضائے مولیٰ کے طالب اور اسکی محبت کے خواہاں ہوں گے اور اس کے استحصال میں جو طریقے متعین کریں گے اور ان پہ گامزن ہونے کا حکم فرمائیں گے۔ تمہیں بھی ہو بہو اسی طرح کرنا ہوگا۔ اور انہی کے نقش قدم پہ چلنے سے اللہ کے مطیع اور محب ہونے کی سند ملے گی ورنہ ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اس آیت کریمہ میں غیر مشروط طور پہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو واجب اور رضائے مولیٰ کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ تو یہ انبیاء کرام کی معصومیت اور انکی وجوب اطاعت پر ایک اہم دلیل ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (آل عمران - ۱۷)

اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا پڑھتا ہے ان پر آیتیں اسکی اور پاک کرتا ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھاتا ہے، ان کو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے۔ (ترجمہ: حضرت شیخ الہندؒ)

یہ آیت اپنے محل اور مقام کے مناسب الفاظ و صیغ کی معمولی تفسیر سے چار مقامات پر آئی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بنیادی اور اہم مناصب ذکر فرمائے ہیں۔ ۱۔ تلاوت آیات ۲۔ تزکیہ قلوب ۳۔ تعلیم و تفہیم کتاب ۴۔ تعلیم حکمت۔

فریضہ اوّل۔ تلاوت آیات کا مطلب ظاہر ہے کہ بلاکم و بیش قرآنی الفاظ منطوقہ کو پڑھ کر سنا دیا جائے۔

دوسرا فریضہ۔ تزکیہ نفس[1] ہے کہ آپکی صحبت بابرکت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی تھی کہ آپ کی مجلس قدسیہ میں آجانے سے کفر و شرک، حسد و بخل، عناد و بغض وغیرہ اوصاف رذیلہ جو صدیوں سے قلوب پر مستولی ہوتے تھے، ایک نگاہ توجہ سے کافور ہو جاتے تھے، اور آناً فاناً چند لمحوں میں دل کی دنیا بدل جاتی تھی۔ اور ظلمت کدہ قلوب، شمع ہدایت بن کر دوسروں کے ہادی ہونے کے اہل بن جاتے تھے۔

تیسرا فریضہ، کتاب اللہ کی تعلیم و تفہیم۔ اسکی تلاوت کے مغایر اور الگ چیز ہے۔ کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطبین کے فہم و سمع کے مطابق مختلف تعبیرات اور الفاظ سے اس کے معنیٰ اور مراد کو سمجھائیں گے۔ چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر ص۲۰۴ ج۲ میں زیر آیت ویعلمکم الکتاب والحکمۃ کے لکھتے ہیں۔ اما قولہ تعالیٰ ویعلمکم الکتاب فلیس بتکرار لان تلاوۃ القرآن غیر تعلیمہ ایاھم۔ اللہ تعالیٰ کا قول ویعلمکم الکتاب۔ مکرّر نہیں ہے، کیونکہ تلاوت قرآن تعلیم قرآن سے الگ چیز ہے۔ تو یہ الفاظ اگرچہ آپ کے اپنے ہوں گے مگر معنیٰ اللہ کی طرف سے القاء ہوگا۔ اور اصطلاحاً دونوں کو وحی کہتے ہیں، کیونکہ ارشاد ہے :

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ (النجم۔ ع۔۱) ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی دینی معاملے میں اپنی خواہش اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا وہ تو وحی خداوندی ہے، جو اس پر بھیجی جاتی ہے۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ جو محروم القسمت لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تین چار مسلمانوں کے سوا باقی سب لوگ لاکھوں کی تعداد میں مرتد ہو گئے۔ اور ان کے دلوں میں کفر و شرک اور بغض عترت نبوی بدستور بھرا ہوا تھا۔ (معاذ اللہ) تو وہ لوگ گویا حضور کو تزکیہ نفس کے منصب کا اہل ہی نہیں سمجھتے۔

توچند واقعات کے بغیر وہ ہزاروں امور جو آپکی لسان نبوت سے صادر ہوئے ہیں (اور ان پر تنبیہ نہیں کی گئی) وہ سب کے سب ثبوت قطعی کے بعد قطعیت میں قرآن کی طرح ہیں، ہاں درجے میں قرآن سے مؤخر ہیں۔

چوتھا فریضہ تعلیم حکمت ہے۔ حکمت کا معنیٰ ومصداق جمہور مفسرین اور محدثین حکمت کا معنیٰ سنت سے کرتے ہیں اور کتاب وحکمت کے تقابل اور سیاق وسباق نظم قرآنی سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی اصح ہے۔ چنانچہ امام المفسرین ابوالفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ص ۱۸۳ ج ۱ پر لکھتے ہیں:

والمراد بالحکمۃ السنۃ قالہ الحسن ومقاتل بن حیان وابومالک وغیرھم وقیل الفھم فی الدین ولامنافاۃ۔ — کہ حکمت سے مراد سنت ہے، امام حسن بصری مقاتل بن حیان اور ابومالک وغیرہ مفسرین کا یہی قول ہے، بعض نے کہا کہ حکمت کے معنیٰ دین کی سمجھ کے ہیں۔ مگر ان میں کوئی تضاد نہیں۔ (کیونکہ سنّت ہی سے دین کا فہم حاصل ہوتا ہے۔)

امام رازی تفسیر کبیر ص ۲۰۴ ج ۴ میں لکھتے ہیں:

فاما الحکمۃ فھی العلم بسائر الشریعۃ التی یشتمل القرآن علی تفصیلھا ولذالک قال الشافعی رضی اللہ عنہ الحکمۃ ھی سنۃ الرسول علیہ السلام۔ — حکمت باقی سب شریعت کے علم کو کہتے ہیں جسکی تفصیل پر قرآن کریم مشتمل ہے۔ اس لئے امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ حکمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہی کا نام ہے۔

تو اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ المتوفی ۲۰۴ھ بھی حکمت کا معنیٰ سنّت نبوی کرتے ہیں۔ اور امام رازی بھی اس کو ترجیح دے رہے ہیں۔

امام ابن کثیر ص ۴۲۲ ج ۱ سورہ آل عمران کے تحت فرماتے ہیں: ویعلمھم الکتاب - وھو القرآن - والحکمۃ - وھی السنۃ - رسول انکو کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ اور وہ قرآن ہے۔ اور حکمت کی اور وہ سنّت ہے۔ اس کے علاوہ چھ مقامات پر لفظ حکمت آیا ہے۔ ابن کثیر نے مختار تفسیر سنّت سے کی ہے۔

علامہ ابوحیان اندلسی تفسیر البحر المحیط ص ۳۹۳ ج ۱ پر متعدد قریب قریب ہمعنیٰ اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ویجمع ھذہ الاقوال قولان — ان تمام اقوال کا حاصل اور نچوڑ دو قول ہیں

احدھما القرآن والآخر السنة - ایک یہ کہ حکمت کا مصداق قرآن ہو۔ دوسرے یہ کہ سنّت ہو۔

...

تفسیر ابو سعود برحاشیہ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۱۴ پر حکمت کا دوسرا معنیٰ یہ ہے۔

وقیل المراد بالحکمۃ السنۃ - کچھ حضرات کا یہ قول ہے کہ حکمت سے مراد سنت ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی حکمت کو علوم نبوت کے ساتھ مختص کرتے ہیں اور یؤتی الحکمۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ای العلم النافع علی ما ھو فی نفس الامر الموصل الی رضاء اللہ تعالیٰ والعمل بہ وذالک لایتصور الا بالوحی (تفسیر مظہری - ج ۱ ص ۳۸۲) یعنی واقعہ کے مطابق علم نافع جو اللہ کی رضاء کا ذریعہ بنے اور اس کے ساتھ عمل کی توفیق بھی ہو اور اس کا تیقن اور علم وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ علوم و اعمال دراصل تو انبیاء کے ہیں۔ اور ان کے واسطہ سے ورثۃ علماء امت کو نصیب ہوتے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد اظہر من الشمس ہو گیا کہ حکمت کا جامع ترین مصداق حدیث وسنت یعنی علوم نبوت ہیں۔ علاوہ ازیں حکمت کا عطف الکتاب پر ہے۔ اور عطف میں اصل معطوف و معطوف علیہ میں مغایرت ہے۔ اور انکی وحدانیت قرائن کی محتاج ہوتی ہے۔ لہذا اس سے غیر قرآن یعنی سنّت مراد لینا بہر حال اولیٰ ہے۔ سنّت بھی قرآن کی طرح منزل من اللہ ہے۔ چند آیات قرآنیہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) وانزل اللہ الیک الکتاب والحکمۃ (النساء - ع ۱۷) اللہ تعالیٰ نے آپکی طرف کتاب وحکمت کو نازل کیا۔

(۲) واذکروا نعمۃ اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتاب والحکمۃ یعظکم بہ۔ (البقرہ - ع ۲۹) اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر اس نے کی ہے۔ اور جو کچھ کتاب وحکمت اس نے تم پر نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اسکی تاکید کرتا ہے۔

...

(۳) واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ۔ امہات المومنین جو کچھ تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور (انکی تفسیر میں) حکمت کی باتیں تلاوت کی جاتی ہیں۔ ان کو یاد کرتی رہو۔

اس آیت کریمہ میں آیات اللہ کے ساتھ حکمت کے متلو ہونے کی بھی تصریح ہے۔

ازقلم مولانا حبیب الرحمان عثمانی دیوبندی مرحوم

سلطان العلماء

قاضی عزالدین ابن عبدالسلامؒ

آپ کا نام عبدالعزیز ہے، سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبدالعزیز ابن عبدالسلام ابن ابی القاسم ابن حسن ابن محمد ابن مہذب سلمی۔ آپ اپنے زمانے کے اُن علماء اعلام میں سے ہیں جن کو تمام علماء عصر نے امام علماء تسلیم کرلیا ہے۔ آپ کے زمانہ میں آپ کا کوئی مثل نہ تھا۔ علم و زہد، تقویٰ و طہارت میں آپ مسلم کل تھے۔ اسرار شریعت و غوامض۔ معرفت و حقیقت کے آپ جامع و متبحر تھے۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر میں آپ اس درجہ پر تھے کہ جسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ حق گوئی آپکی اس درجہ پر تھی کہ کبھی کوئی اس امر سے مانع نہیں آیا۔ دل کی قوت زبان کی فصاحت۔ قلم کی روانی سب ہی اوصاف چوٹی کے موجود تھے۔ آپ ان تمام فضائل و کمالات، اخلاق و ملکات میں اس درجہ پر تھے کہ آپ نے اپنی مثل و نظیر علماء عصر میں دیکھا۔ اور نہ جس کسی نے آپ کو دیکھ لیا اُس نے آپ کا مثل و مشابہ کوئی عالم دیکھا۔

آپ سلطان العلماء کے لقب سے ملقب تھے۔ لیکن یہ لقب آپ کو کسی شاہی دربار سے نہیں ملا تھا۔ بلکہ برگزیدہ علماء زمانہ نے آپکی شان رفعت و علمی کو دیکھ کر یہ خطاب دیا۔ سب سے اول شیخ تقی الدین ابن دقیق العید نے جو علم فقہ و حدیث میں یگانہ آفاق و مجتہد وقت تھے۔ اس خطاب سے آپکو مخاطب کیا ہے۔ اور پھر قاطبۃً علماء عصر نے اس کو قبول کیا ہے۔ یہاں تک کہ یہ لقب بمنزلہ علم (نام) کے ہوگیا۔

یہ وہ زمانہ شیوع علم اور کثرت علماء ربانیین و عاملین کا تھا کہ ہر حصہ ملک میں ایک سے ایک بڑھ کر عالم ہر فن کے موجود تھے ــــــــــ ایسے وقت شیخ عزالدین کو یہ خطاب ملنا اور تسلیم کیا جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

سلطان العلماء کا ابتدائی زمانہ نہایت افلاس وتنگدستی کا تھا۔ عسرت سے بسر ہوتی تھی، محنت ومزدوری سے گذر اوقات کرتے تھے، اور اسی وجہ سے تحصیل علم کا وقت گذر گیا جوان ہونے تک اسکی طرف توجہ کرنے کی نوبت نہ آئی۔ مگر موہبت الٰہی اسباب کی پابند نہیں۔ نہ خاندان ودودمان کی۔ خدا جسکو چاہتا ہے، اور جس وقت چاہتا ہے آن کی آن میں جسقدر چاہے عطا فرما دیتا ہے۔ سلطان العلماء کے حالات زندگی جس قدر پُرعظمت ورفعت ہیں، ایسے ہی ابتدا تحصیل کا واقعہ بھی عجیب ہے۔

ایک شب آپ دمشق کی مشہور جامع مسجد میں مقام کلاسہ کے اندر سوتے تھے۔ آپکو احتلام ہوگیا۔ آنکھ کھلی تو عجیب کشمکش میں تھے ایسی حالت میں سوتے رہنا تو گوارا نہ تھا، رات زیادہ باقی تھی، جامع مسجد کے دروازے صبح کو کھلتے تھے۔ گرم پانی سے غسل کرنے کیلئے اس وقت تک کا انتظار بھاری تھا۔ خواب گاہ کے سامنے ایک حوض تھا، فوراً اس یخ پانی میں کود پڑے۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ دمشق کی سردی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ آپ نے غسل تو کر لیا۔ مگر سردی کی بے انتہا تکلیف اٹھائی۔ اسی حالت میں دوبارہ آنکھ لگ گئی تو پھر دوبارہ احتلام ہوگیا۔ آنکھ کھلنے پر دوبارہ آپ اسی طرح حوض میں کود ے۔ اس مرتبہ شدّت سردی سے آپ کو غش آگیا۔ غرض دو مرتبہ تو یقیناً اور بظن غالب تین مرتبہ ایک ہی شب میں یہ واقعہ پیش آیا۔ شیخ نے حالت جنابت میں تھوڑی دیر بھی رہنا گوارا نہ کیا۔ اور اس طرح مہلک خطرہ میں اپنی جان کو ڈال کر ہر مرتبہ غسل کر لیا۔ اگر کچھ صاحب مال و ثروت ہوتے۔ تو یہ احتمال ہوسکتا۔ کہ ان کپڑوں کی جگہ اُن سے زیادہ گرم لباس پہن لیں گے۔ یہاں تو وہی ایک لباس تھا۔ جس کو ہر مرتبہ غسل کے بعد پہن لیتے تھے، اور سردی کی شدّت وصعوبت کو برداشت کرتے ہوئے ذرا غفلت وبیہوشی کی کیفیت پیش آتی تھی۔ تو پھر احتلام کی صورت میں امتحان وابتلاء وقت آجاتا تھا۔ مگر آپ کی مردانہ ہمّت ہر مرتبہ ساتھ دیتی رہی۔

خداوند عالم کو ان کی یہ ادا، یہ مستعدی وچستی۔ اور اس قدر احتیاط کہ باوجود جواز واباحت کے جنابت کی حالت میں رہنا گوارا نہ کیا۔ پسند آگئی۔ آخر مرتبہ غسل کرنے کے بعد لیٹے تو غیب سے ایک آواز آئی۔ ابن عبد السّلام تم علم چاہتے ہو یا عمل۔ آپ نے اُس کے جواب میں عرض کیا، علم چاہتا ہوں۔ کیونکہ علم ہی عمل کی طرف ہادی ہوتا ہے۔ عمل بغیر علم کے ناقص وناتمام بلکہ ہیچ ہے۔ آپ نے اس جواب میں دونوں باتوں علم وعمل کا سوال کیا۔ مگر یوں نہ کہا کہ دونوں چاہتا ہوں۔ اس میں آپ نے نداءِ غیبی کے ادب کو ملحوظ رکھا۔ اس میں یہ تھا، علم چاہتے ہو یا عمل۔ گویا دونوں باتوں میں سے ایک بات چاہو۔

اور اسطرح ندائے غیبی میں بھی ان کے فہم و سلامت طبع کی آزمائش تھی۔ آپ عرض کر سکتے تھے، دونوں کو چاہتا ہوں، مگر نہیں، آپ نے ندائے غیبی کے طرز کو ملحوظ رکھ کر ایک خواہش کا اظہار اس طرح کیا، کہ اس میں دونوں چیزیں آگئیں۔ اس لئے کہ مطلب آپ کا یہ تھا کہ مقصود عمل ہے۔ اور عمل بغیر علم کے ناقص و ناتمام ہے۔ اس لئے ایسا علم چاہتا ہوں جو عمل تک پہنچائے، وہ علم نہیں چاہتا جو نافع نہ ہو۔ آپکی یہ عرض قبول ہوتی، صبح کو اٹھے تو دل میں تحصیل علم کا شوق موجزن تھا، اٹھتے ہی کتاب تنبیہہ مصنّفہ شیخ ابی اسحاق شیرازی کو ہاتھ میں لیا۔ یہ کتاب تنبیہہ شافعی جماعت میں ایسی ہی مشہور و مسلّم ہے، جیسے قدوری حنفیوں کے یہاں تھوڑی سی مدّت میں اسکو یاد کر لیا۔ اور پھر طلب علم کیطرف توجہ تام کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے زمانہ کے علماء میں سب سے بڑے شمار ہونے لگے اسی طرح ان کا یہ علم عمل کیطرف رہبر و ہادی بن گیا۔ اور عبادت میں بھی سب سے فائق سمجھے جانے لگے۔

آپ نے تمام علوم کو اپنے وقت کے اکابر و مشاہیر سے حاصل کیا۔ علم فقہ تو فخر الدین ابن عساکر سے اصول سیف الدین آمدی سے۔ علم حدیث کو اسوقت کے مشاہیر حفاظ حدیث سے مثل حافظ ابی محمد ابن حافظ ابی القاسم ابن عساکر۔ شیخ الشیوخ عبداللطیف ابن اسمعیل وغیرہم ہے۔

جس طرح آپ نے بڑے بڑے اساتذہ فن سے تحصیل علم کی، اسی طرح آپ کے شاگرد بھی بڑے پایہ کے علماء ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے شیوخ و محدثین نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست میں شیخ ابن دقیق العید۔ حافظ دمیاطی وغیرہ اکابر علماء داخل ہیں۔

آپ کی تحصیل علم کی ابتداء جس شان سے ہوئی۔ جس جد و جہد اور پابندی اوضاع و اطوار سلف کے ساتھ علوم کی تحصیل کی۔ جیسے جیسے اکابر فن واساتذہ و مشائخ کے سامنے زانوِ ادب تہ کر کے تمغۂ لیاقت حاصل کیا۔ ان سب کا اقتضاء یہ ہی تھا، کہ زمانہ طالب علمی سے ہی مقبولیت عامہ کے آثار ظاہر ہوتے گئے۔ تحصیل علوم کے بعد آپ دمشق ہی میں مقیم رہے۔ اور وہاں زاویہ غزالیہ (یہ زاویہ امام غزالی کی طرف منسوب ہے جس میں امام غزالیؒ نے قیام فرمایا تھا۔) اور دوسری درسگاہوں میں سلسلۂ درس جاری کر دیا اس کے ساتھ ہی جامع اموی (مشہور جامع مسجد دمشق) کی امامت و خطابت کا جلیل القدر منصب سلطان وقت کی طرف سے آپکو سپرد ہوا۔ جن کی خدمات کو آپ نے اسی انداز سے سرانجام دیا۔ جو ایک ربانی عالم متبع سنّت قامع بدعات کے شایان شان تھا۔ ائمہ خطباء نے جن جن بدعات کا رواج دے دیا تھا، ان سب کو مٹایا۔ مثلاً ائمہ خطباء نے ایک بدعت یہ بھی جاری کر دی تھی کہ جب ممبر پہ جاتے تھے تو تلوار سے ممبر کو کوٹتے تھے۔ گویا اپنے ممبر پر پہنچنے کا اعلان کرتے تھے۔ یہ محض

ایک بدعت اور رسم تھی۔ مگر اسکی ابتدا جس کسی نے جس نیت سے کی ہو۔ اب یہ فعل خطبہ کے افعال میں شمار ہونے لگا تھا ہر ایک امام وخطیب ایسا کرتا تھا۔ جو نہ کرے اس پر بری نظریں اٹھتی تھیں۔ سلطان العلماء کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔ اُن کی عظمت وشہرت مقبولیت سب کچھ قلوب میں راسخ ہو چکی تھی۔ آپ نے ایسے وقت امامت وخطابت جامع اموی کو سنبھالا تھا۔ جبکہ آپ سے زیادہ اس منصب کے لئے کوئی مستحق ولائق نہ تھا۔ اس لئے آپ کو اپنے رسوخ مقبولیت استقامت و تصلب فی الدین اور ہیبت خداداد کی وجہ سے یہ موقع ملا کہ آپ نے بدعات کا جو ائمہ وخطباء کی بدولت رواج پذیر ہو گئی تھیں، قلع قمع کر دیا۔

اس کے ساتھ اور بدعات کو بھی جنکا رواج دمشق وغیرہ میں ہو گیا تھا، اٹھانا شروع کر دیا۔ مثل صلوٰۃ رغائب کے جسکا رواج وہاں بہت تھا، جو نصف شعبان کی شب میں ادا کی جاتی تھی وعلیٰ ہذا۔

آپ برابر دمشق ہی میں مقیم رہے۔ لیکن وہاں کے حاکم الصالح اسمٰعیل معروف بابُ الخنیش نے اپنی کسی ملکی ضرورت سے نصاریٰ فرنگ سے فوجی امداد لی تھی۔ اور اُس کے معاوضہ میں مسلمانوں کے تاریخی مقام صیدا اور سقیف اُن کے حوالہ کر دیئے تو آپ کو یہ امر سخت ناگوار گذرا۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا، کہ نصاریٰ سے امداد لینا کسی دینی مصلحت پر مبنی نہ تھا بلکہ اُن کو ساتھ لیکر اپنی ولایت وحکومت کی حفاظت کے لئے مسلمان سلاطین سے مقابلہ کرنا، اور اپنی سلطنت کو مستقل بنانا تھا۔

سلطان العلماء جیسے متصلب فی الدین کی حمیت دینی اسکو کب گوارا کر سکتی تھی۔ آپ نے اسی وقت اپنی ناراضی اور اس فعل سے ناخوشی کا اظہار فرمانے کے ساتھ ہی خطبہ میں والی دمشق کے لئے دعا کرنا چھوڑ دیا۔ علامہ ابوعمر ابن الحاجب، مالکی مصنف متن مشہور کافیہ نے بھی اس انکار وتشدد میں ان کا ساتھ دیا۔ سلطان دمشق کو اسکی اطلاع ہوئی تو اس پر غیظ وغضب طاری ہوا۔ یہ دونوں حضرات دمشق کو خیرباد کہہ کر مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔

آپ کی شہرت وعظمت تو تمام بلاد اسلامیہ میں پھیلی ہوئی تھی، راستہ میں مقام کرک پر گذر ہوا، تو وہاں کے نواب وحاکم نے شان وشوکت سے استقبال کر کے یہ درخواست کی کہ آپ اسی جگہ قیام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا یہ شہر چھوٹا ہے، جو کام مجھ کو اپنے علم سے لینے ہیں وہ یہاں نہیں ہو سکتے۔ یہاں سے روانہ ہو کر آپ قاہرہ دارالسلطنت ملک مصر پہنچے۔ اسوقت مصر کا سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کا برادر زادہ ملک صالح نجم الدین ایوب تھا۔

سلطان صلاح الدین اور ان کے بھائی ملک کامل (جسکا بیٹا ملک صالح تھا) میں جو مادہ دینداری

قدردانی اہل علم۔ حمایت دین۔ ترویج سنت و اماطت بدعت موجود تھا۔ وہ ان کی اولاد میں بھی کم وبیش باقی تھا۔ ان کا ملک جو شام ومصر کے تمام حدود کو شامل تھا، اب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ہر حصہ پر انہیں میں کا ایک فرد حکمران تھا جو وہاں کا سلطان ہوتا تھا۔ چنانچہ دمشق وکرک وغیرہ سب اسی طرح تھے۔ مگر مصر میں جو سلطان رہتا تھا۔ اس کا رتبہ و درجہ ان سلاطین ایوبیہ میں بڑا سمجھا جاتا تھا۔ اس کی قوت وشوکت بھی زیادہ مانی جاتی تھی۔ کیونکہ ملک مصر بمقابلہ دوسرے ممالک کے وسیع مردم خیز، زرریز اور کثیر آبادی پر مشتمل تھا۔ اور ایک زمانہ تک خلفاء فاطمیین کے زیر نگیں رہنے سے اسکی عظمت و وسعت میں بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی۔

سلطان العلماء نے اپنے قیام کو اسی لئے ملک مصر میں پسند فرمایا کہ وہاں رہ کر دینی خدمات وسیع پیمانہ پر انجام دے سکیں گے۔ اور اگر وہاں کے سلطان نے آپ کے ساتھ اچھا معاملہ کیا تو شوکت اسلام میں اسطرح بہت ترقی حاصل ہو گی۔

سلطان مصر کو آپ کی آمد آمد کی اطلاع پہنچی تو نہایت اکرام سے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور فوراً جامع عمرو بن العاص (مصر کی قدیم اور مشہور جامع مسجد جسکو حضرت عمرو ابن العاصؓ مشہور صحابی فاتح مصر نے تعمیر کیا تھا) کی خطابت آپ کے سپرد کی۔ اور ساتھ ہی قاہرہ کا منصب قضا اور اُسکی ایک سمت وجہ قبلی کی قضا بھی آپ کے سپرد کی۔ زمانہ دراز تک منصب قضا کی خدمات باحسن وجود آپ نے انجام دیں اور اسوقت آپ کو اظہار حق واعزاز دین وتصلب مذہبی کے پورے پورے مواقع ملے۔

اسی زمانہ میں ملک صالح سلطان مصر کے ایک چوٹی کے وزیر تھے (جسکو اُس زمانہ میں استاذدار کا لقب دیا جاتا تھا جو گویا بمنزلہ نائب السلطنت کے ہوتا تھا) جس کا نام فخر الدین ابن شیخ الشیوخ تھا اور اس شخص کو علاوہ اپنے منصبی فرائض کے سلطان کے مزاج میں اس قدر دخل تھا کہ تمام امور سلطنت اُسی کے سپرد تھے) یہ کارروائی کی کہ ایک مسجد کی چھت پر نوبت خانہ بنا دیا، جہاں معینہ اوقات میں نوبت بجنی شروع ہو گئی۔

سلطان العلماء کو اس کی اطلاع ہوئی تو اپنے اختیارات منصب قضا کا نہایت صفائی وقوت سے استعمال فرمایا۔ کچھ پرواہ سلطان یا نائب السلطنت کے ملال یا غضب کی نہ کی۔ اور نوبت خانہ کو فوراً منہدم کرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا حکم آپ نے یہ نافذ فرمایا کہ استاذدار فخر الدین بوجہ اس فعل شنیع ناجائز وحرام کے درجہ فسق کو پہنچ کر مردود الشہادۃ ہو گئے۔ ان کی شہادت کسی معاملہ میں کسی قاضی کے یہاں قبول نہ کی جاوے۔

ان احکام کا اثر سلطان وقت پر تو کچھ نہ ہوا۔ آپ کی عظمت اُس کے دل میں وہی رہی مگر سلطان العلماء نے یہ خیال کر کے کہ جب سلطان اور نائب سلطان کے یہ حرکات ہیں تو میں کہاں تک اُن کے احکام کو توڑوں گا، سکوت کروں تو مداہنت ہے۔ خود منصب قضا سے مستعفی ہو گئے، سلطان اور نائب سلطان نے بھی اسکو غنیمت سمجھا اور زیادہ اصرار دربارہ قبول منصب قضا ان پر نہ کیا۔

فخرالدین نائب السلطنت یہ سمجھے کہ سلطان العلماء کا مجھ کو مردود الشہادت بنا دینا کیا اثر رکھتا ہے۔ یہ ایک حکم تھا جو اُن کے قلم سے نکلا اور انہیں کے بستہ میں بند رہا۔ عدالتہائے مصر کا کونسا قاضی و حاکم ایسا ہے جو میری شہادت کو قبول نہ کرے گا۔ مگر اس کا یہ خیال غلط تھا۔ فرض کرو کہ مصر کی عدالتیں بوجہ رعب و قوت نائب السلطنت اس حکم کی تعمیل سے مقصر رہتیں۔ لیکن سلطان العلماء کے احکام اُس عام اثر کو جو ملک مصر سے متجاوز ہو کر شام و عراق وغیرہ ممالک اسلامیہ میں پھیلا ہوا تھا، کیونکر مٹا سکتا تھا۔ یہ خبر کہ نائب السلطنت مصر کو سلطان العلماء نے مردود الشہادت قرار دیا ہے، بغداد تک بھی پہنچ گئی۔ خلیفۃ المسلمین نے بھی اس کو سُنا۔ اور جس طرح عام مسلمانوں نے دل سے اُس کو قبول کیا تھا خلیفہ نے بھی قبول کیا۔

یہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ سلطان مصر ملک صالح نے اپنے ایک سفیر کو کچھ پیام دیکر خلیفہ کی خدمت میں بھیجا۔ سفیر جب ایوان خلافت میں خلیفہ کے سامنے پیام سلطانی پہنچا چکا تو خلیفہ نے سوال کیا کہ تم جو کچھ پیام لائے ہو سلطان نے خود تمہارے سامنے بیان کیا، یا تمہارے اور سلطان کے درمیان کوئی ذریعہ اور واسطہ ہے۔ اس نے عرض کیا کہ نہیں، سلطان سے تو میں نے نہیں سنا، نہ سلطان نے میرے سامنے کچھ بیان کیا، مجھ کو تو سلطان کی طرف سے نائب السلطنت فخرالدین نے یہ پیام دیا ہے خلیفہ نے فرمایا یہ فخرالدین وہی شخص ہے جس کا نام سلطان العلماء نے دفتر شہود سے کاٹ کر مردود الشہادت کر دیا ہے۔ ہم اسکی روایت قبول نہیں کر سکتے۔ سفیر یہ سن کر واپس ہوئے۔ سلطان سے سارا ماجرا عرض کیا۔ سلطان نے اپنا پیام اپنی زبان سے ادا کیا۔ سفیر نے دوبارہ خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور جب خلیفہ نے اسکو قبول کیا۔ اس واقعہ سے سلطان العلماء کی نہایت دینداری، حق گوئی، عظمت، شہرت و وسعت اثر کا حال معلوم ہوتا ہے۔

۞ ۞

جناب قادر بخش صاحب نمائندہ مسلم یوتھ آرگنائزیشن فیجی
مقیم پاکستان

اُمّتِ مسلمہ کا ایک بھولا ہوا باب
جنوبی بحر الکاہل کی مُسلم اقلیّت

"الاسلام" اور ایک مضمون جزائر فی جی سے متعلق اور اس کے علاوہ ایک عدد انگریزی میں لکھا ہوا نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے مسلمانوں کے متعلق مضمون بھی آپ کی خدمتِ اقدس میں ارسال کر رہا ہوں۔ آپ سے یہ گذارش ہے کہ آپ ان متذکرہ بالا مضامین کو ضروری ترامیم کے ساتھ اپنے مشہور و معروف ماہنامہ الحق میں شائع فرما کر مشکور و ممنون فرمادیں۔ مرزائیوں اور دوسرے غیر مسلم لوگوں کی سرگرمیوں سے متعلق آپ کو اندازہ ہو سکے گا۔ اس کے علاوہ میں آپ کی اطلاع کے لئے چند ایک ضروری گزارشات آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ :

۱۔ اس وقت جزائر فی جی سے ایک طالب علم "احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور" میں زیر تعلیم ہے۔
۲۔ تقریباً پانچ طالب علم "جامعہ احمدیہ ربوہ" میں بھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔
۳۔ تقریباً ۲ سند یافتہ احمدی عالم جزائر فی جی میں ربوہ مشن کی طرف سے سرگرم عمل ہیں۔
۴۔ سنہ ۱۹۶۶ء میں فی جی کی مردم شماری کے مطابق دونوں احمدیہ فرقوں کے دو ہزار دو سو (۲۲۰۰) مرزائی ہیں جن میں اکثریت مسلمانوں سے ہی مرتد ہونے والوں کی ہے۔

۰۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں اس وقت دو حافظِ قرآن اور جناب مولانا بشیر احمد دیوان صاحب فارغ التحصیل "دارالعلوم دیوبند ہندوستان" ہی حقیقی اسلام کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

۵۔ آپ کے ماہنامہ الحق جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۹ جون ۱۹۶۷ء کے صفحہ نمبر ۵ پر جس تنظیم کا ذکر آپ نے فرما رکھا ہے یہ خط اسی تنظیم سے متعلقہ ہے۔ تبدیلی اس وقت اس میں صرف یہ ہے کہ پہلے اس تبلیغی ادارہ کا نام (BROTHER HOOD OF ISLAM) تھا۔ اب ہم نے اس کا نام تبدیل کر کے "فی جی مسلم یوتھ آرگنائزیشن" جس کا عربی نام رَابِطَۃُ الشَّبَابِ الْمُسْلِمِ الْفِیجِیَّۃِ۔ رکھ لیا ہے۔ میں اپنے اس ادارہ اور فی جی

کے مسلمانوں کی طرف سے آپ کے ان مضامین کا جو آپ اب تک شائع فرما چکے ہیں، اور ان
مضامین کا بھی جو کہ اب ارسال کر رہا ہوں تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔
مع السلام۔ دعاگو۔ قادر بخش۔

جنوبی بحر الکاہل لاتعداد چھوٹے بڑے جزیروں پر مشتمل ہے۔ ان جزائر پر ریاستہائے متحدہ امریکہ، برطانیہ، فرانس، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی حکومت ہے، اور ان سے قبل ہالینڈ اور جرمنی نے ان پر حکومت کی ہے۔ موجودہ دور میں جبکہ تمام قومیں ایک ایک کرکے آزادی حاصل کرتی جارہی ہیں۔ ان جزائر کے بسنے والوں میں بھی آزادی کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور اقتدار کی منتقلی نہایت پرامن طریقے سے ہوئی۔ ان تمام جزائر میں مسلمان صرف نیوزی لینڈ، آسٹریلیا اور جزائر فیجی میں آباد ہیں۔ اکثریت ان ممالک میں عیسائیوں کی ہے۔ مسلم آبادی عیسائیوں کے اس بحر عظیم میں جگہ جگہ بکھری پڑی ہے۔

نیوزی لینڈ کے مسلمان | نیوزی لینڈ میں مسلمان بہت ہی قلیل تعداد میں ہیں۔ یعنی وہاں کی ۲۵ لاکھ کی آبادی میں ان کی کل تعداد تقریباً ۵۰۰ ہے۔ یہاں اسلام ہندوستانی تاجروں اور بالخصوص گجراتی تاجروں کے ذریعے پھیلا جو یہاں مختلف اوقات میں کاروبار کے سلسلہ میں آتے رہے۔ حال ہی میں یورپ سے نقل مکانی کرنے والوں میں کچھ مسلمان البانیہ، یوگوسلاویہ اور ترکی سے یہاں آئے ہیں۔ جزائر فیجی کے بھی کچھ مسلمان یہاں مستقل سکونت اختیار کر چکے ہیں۔

مذہبی امور کی نگرانی کیلئے مسلم تنظیمیں قائم کی گئی ہیں۔ آک لینڈ جو کہ نیوزی لینڈ کا سب سے بڑا شہر ہے، وہاں کے مسلم طلبہ بھی ان تنظیموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ابھی تک مسلمان اتنے بڑے شہر میں بھی اپنے لئے کوئی علیحدہ سکول یا مدرسہ قائم نہیں کر سکے۔ ولنگٹن نیوزی لینڈ کا دارالحکومت ہے۔ آک لینڈ اور ولنگٹن میں مساجد تعمیر کرنے کی تجاویز زیر غور ہیں۔ علماء اور جدید علوم سے واقف حضرات کی کمی بڑی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اس وقت صرف ایک ہندوستان سے بلائے ہوئے عالم دین، اسلام کی سربلندی کیلئے سرگرم عمل ہیں۔ جدید علوم سے واقف علماء کی اشد ضرورت محسوس کی جارہی ہے اور اس صورت حال کو کسی بھی صورت میں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ مبلغین کی کمی کے پیش نظر اسلام کی دعوت عام لوگوں تک ابھی نہیں پہنچائی جاسکی۔ اسلامی لٹریچر کی کمی بھی اس کا ایک سبب ہے، درد دل رکھنے والوں کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

آسٹریلیا کے مسلمان | آسٹریلیا میں اسلام پہلے پہل ہندوستانی اور افغانی شتربانوں کے ذریعہ پھیلا جنہیں اندرونِ ملک صحرائی خطوں میں نقل و حمل میں معاونت کے لئے بلایا گیا تھا۔ آسٹریلیا کی مجموعی آبادی ایک کروڑ ۲۵ لاکھ ہے، جن میں چودہ ہزار پانچ سو مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کی یہ آبادی سفارتی نمائندوں، ایشیائی ممالک کے مسلمان طلبہ اور نقلِ مکانی کرنے والے مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ہجرت کرنے والے لوگ زیادہ تر البانیہ، یوگوسلاویہ، اردن، لبنان، قبرص و دیگر عرب ممالک، ترکی، افغانستان، پاکستان، انڈونیشیا اور ملائشیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ حال ہی میں ترکی اور آسٹریلیا کے درمیان ایک معاہدہ ہوا ہے جس کے تحت ایک لاکھ ترک ترکی سے دس سال کے اندر نقلِ مکانی کر کے آسٹریلیا میں مستقل سکونت اختیار کریں گے۔ آسٹریلیا کے تقریباً تمام بڑے بڑے شہروں میں اب مسلمانوں کی کچھ کچھ آبادیاں ہیں۔

مختلف اسلامی سوسائٹیاں اور طلباء کی تنظیمیں نئی نسل کی تعلیم و تربیت کیلئے مسلم سکول کھولنے پر سنجیدگی سے غور کر رہی ہیں۔ اس وقت وہاں تقریباً تمام ریاستوں میں مساجد اور اسلامی مراکز قائم ہیں، جن میں کلاسیں جاری ہیں۔ تاہم پھر بھی ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ ہی کافی نہیں بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی کوششیں تیز سے تیز کر دینی چاہئیں۔ مسلم بچوں کی تربیت کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام محض نام و غور کا ہی قائل نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس میں مہد سے لیکر لحد تک تمام مسائل کا حل موجود ہے۔

ایک بڑی وجہ جس کی وجہ سے آسٹریلوی حکومت ان نقلِ مکانی کرنے والے مسلمانوں کو قبول کر رہی ہے، یہ ہے کہ مہاجرین ان کی غلامی میں رہیں گے، اور ساتھ ہی ساتھ غیر مسلم اکثریت کے ساتھ گھل مل کر مذہب سے بیگانہ بھی ہوتے جائیں گے۔ اس لئے جو مسلمان آسٹریلیا میں آباد ہونا چاہتے ہیں۔ ان کو اس سلسلہ میں کافی محتاط رہنا چاہیئے۔ اگر آسٹریلوی حکومت صحیح معنوں میں نقلِ مکانی کے حق میں ہے تو اسے نقلِ مکانی کرنے والوں کی ضروریاتِ زندگی بالخصوص مذہبی امور میں بھی وسیع النظری کا ثبوت دینا چاہیئے، جیسا کہ ملک کی مسلمان تنظیموں نے وقتاً فوقتاً اس مسئلہ کو اٹھایا ہے۔ بالخصوص ترکی سے آنے والے مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی مخصوص مسلمان کالونیاں بسا کر رہیں تاکہ وہ اپنی مذہبی امور میں آزاد ہوں اور اپنی انفرادیت کو برقرار رکھ سکیں۔

آسٹریلیا میں پہلی مسجد جو کہ پرتھ (PERTH) میں واقع ہے۔ ۱۸۹۰ء میں افغانیوں نے تعمیر کی تھی اس کے علاوہ بھی مسلمانوں نے مختلف علاقوں میں مساجد تعمیر کیں جن میں کینبرہ (CANBERRA)

جوکہ آسٹریلیا کا دارالحکومت بھی ہے کی مسجد بالخصوص قابلِ ذکر ہے۔ جسکو مختلف مسلمان ممالک کے سفارتخانوں نے مل کر تعمیر کیا ہے۔ اور جس کے لئے جگہ آسٹریلوی حکومت نے فراہم کی۔ حال ہی میں آسٹریلیا کے مسلمانوں نے ایک خوبصورت اور جدید ترین جوکہ برسبن (BRISBANE) میں ۳۱۰۰۰ ہزار آسٹریلوی ڈالر کی لاگت سے بنائی ہے، اور یہ رقم آسٹریلیا کے علاوہ نیوزی لینڈ اور جزائر فیجی کے مسلمانوں نے بھی اکٹھی کی ہے۔

آسٹریلین فیڈریشن آف اسلامک سوسائٹیز" یہاں کے مسلمانوں کی ایک مرکزی تنظیم ہے۔ جس کا صدر دفتر ملبورن میں ہے اور شاخیں ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کوئینز لینڈ (QUEENS LAND) میں اسکی برانچ کریسنٹ" نامی ایک ماہنامہ بھی شائع کرتی ہے۔ اس مرکزی تنظیم نے ۱۹۶۸ء میں ایک تجارتی کمپنی کا بھی اجراکیا ہے جسکو مسلمان چلائیں گے۔ اس کا نام آسٹریلین کریسنٹ ٹریڈنگ کمپنی ہے۔ اس کے اہم مقاصد میں ایک مقصد آسٹریلوی مسلمانوں کے لئے حلال گوشت مہیا کرنا ہے جوکہ وہاں کے مسلمانوں کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اسکے علاوہ گوشت کو دیگر مسلم ممالک بالخصوص مشرق وسطیٰ کو بھی برآمد کیا جائیگا نیز یہ تنظیم دوسرے مسلم ممالک کیساتھ تجارتی تعلقات پیدا کریگی۔ سننے میں آیا ہے کہ آسٹریلوی حکومت اس کمپنی کے مقاصد کو اندرون ملک اور بیرون ملک فروغ دینے کیلئے کافی امداد دے رہی ہے۔ یہ کمپنی اپنے منافع میں سے آسٹریلیا میں مساجد اسلامی مراکز اور سکول تعمیر کرے گی۔

طلباء کے اندر بھی آسٹریلین فیڈریشن آف مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن نامی ایک تنظیم قائم ہے۔ جسکی شاخیں آسٹریلیا کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں میں ہیں۔ اس تنظیم کی بنیاد ۱۹۶۵ء میں برسبن (BRISBANE) میں تنظیم کے موجودہ صدر مسٹر ذاکر رحمانی نے رکھی جوکہ کراچی (پاکستان) کے رہنے والے ہیں، اس وقت وہ کوئینز لینڈ یونیورسٹی میں فلسفہ میں پی۔ایچ۔ڈی کر رہے ہیں۔

طلباء برادری اس وقت ایک اسلامی رسالہ دی لائٹ (THE LIGHT) نکالنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔ ان کوششوں پر ہم آسٹریلیا کے مسلم طلباء کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ ان حالات میں یہاں پر مستند علماء کی اشد ضرورت ہے۔ نقل مکانی کرنے والوں کی زبان اور تعلیمی معیار بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ عام طور پر مسلمانوں کے درمیان عام بول چال کیلئے انگریزی ہی رابطہ کے طور پر کام آتی ہے۔ جوکہ درحقیقت وہاں کی قومی وسرکاری زبان ہے۔ انگریزی زبان اسلامی لٹریچر کی فراہمی اور انگریزی جاننے والے علماء کی وافر تعداد ان مسائل کا بہترین حل ہے۔

اس وقت گو وہاں پر تبلیغِ اسلام کا کام نہایت معمولی طور پر ہو رہا ہے۔ مگر پھر بھی طلباء

کے انفرادی میل جول کے باعث کچھ لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے ہیں۔ اور یہ چیز اس بات کی غمازی ہے کہ ان میں اسلام کو قبول کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ بشرطیکہ ان کے سامنے صحیح معنوں میں اسلام کی دعوت کو پیش کیا جائے۔ ان حالات میں سب مسلمان ممالک پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ وہاں اپنے طور پر مسلم سکول قائم کریں، اور وقتاً فوقتاً وہاں انگریزی سے واقف مبلغین کو بھیجیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ آسٹریلیا اور برّاعظم یورپ مذہبی معاملہ میں ہم آہنگ ہیں۔ اور دونوں مذہب کو اب ماضی کا گم شدہ ورق سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک مذہب کو ماننا یا نہ ماننا پرائیویٹ معاملہ سمجھا جاتا ہے۔ لہذا عیسائیت بحیثیت مذہب نوجوان طبقہ کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی۔

جزائر فی جی کے مسلمان | جزائر فی جی بحر الکاہل جیسے وسیع وعریض سمندر میں تقریباً ۵۰۰ چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ہے۔ اسکی مجموعی آبادی ۵ لاکھ سے زیادہ ہے۔ اس میں تقریباً ۵۰ فیصد ہندوستانی باشندے ہیں اور ۴۰ فیصد اصل آبادی ہے۔ یہ لوگ بحر اوقیانوس کی اس حبشی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جسکا دعویٰ ہے کہ وہ دراصل افریقہ میں جھیل ٹانگانیکا کے علاقہ سے آئے ہیں۔ آبادی کا باقی دس فیصد یورپی، چینی اور دوسرے جزائر کے باشندوں پر مشتمل ہے، قریباً ۴۰ ہزار اہل سنت والجماعت عقیدہ کے مسلمان آباد ہیں جو کہ کل آبادی کا آٹھ فیصد بنتے ہیں۔ یہ مسلمان برصغیر ہندو پاک سے برطانوی حکومت کے زیر تسلط ۱۸۷۹ء میں کماد اور کپاس کاشت کرنے کے لئے یہاں لائے گئے تھے۔ اگرچہ ان میں اکثر اَن پڑھ تھے۔ مگر دین سے محبت کے پیش نظر انہوں نے ہر ضلع میں مساجد تعمیر کیں اور مدرسے تعمیر کئے۔ جزائر فیجی ۱۸۷۴ء میں برطانیہ کے زیر نگین آیا، یہی وجہ ہے کہ نوجوان طبقہ اسلام سے کافی بیگانہ ہو چکا ہے۔ اور مغرب کی اندھی تقلید اسکی زندگی کا نصب العین بن چکا ہے۔

موجودہ دور میں عیسائی، بہائی، لاہوری مرزائی، قادیانی اور دیگر غیر مسلم فرقے اپنی پوری مشینری قوت کے ساتھ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ فیجی میں غالب اکثریت ۵۰ فیصد عیسائی آبادی ہے۔ دوسرے نمبر پر ۴۰ فیصد ہندو ہیں۔ ان کے علاوہ بہائی، مرزائی (دونوں گروپ) اور دوسرے فرقوں اور مذاہب کے لوگ پوری طرح آراستہ و پیراستہ مشینری تنظیموں کے ساتھ موجود ہیں۔ ۱۹۶۶ء کی مردم شماری کے مطابق تقریباً ۲۲۰۰ لاہوری اور قادیانی مرزائی موجود ہیں۔ جو اسلام سے مرتد ہو کر مرزائی ہوئے ہیں۔ یہ مرزائی برطانیہ کے سرمایہ دارانہ نظام کے تحت اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس وقت فیجی کے تقریباً ۳ طلباء جامعہ احمدیہ ربوہ پاکستان میں اور ایک طالب علم انجمن

احمدیہ اشاعت اسلام لاہور میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ ان تمام اسلام دشمن قوتوں کی موجودگی میں اسلام کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہنا کسی طرح بھی جہاد سے کم نہیں۔ فیجی کے اصل باشندے بھی عیسائی مذہب سے وابستہ ہیں۔ فیجی ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ ساؤتھ پیسفک یونیورسٹی واحد یونیورسٹی ہے۔ مگر زیادہ تر طلبا وظائف پر اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ جاتے ہیں۔ فیجی میں ۲۵ پرائمری سکول اور تین سیکنڈری سکول مسلمانوں کے زیر انتظام چل رہے ہیں، جن میں بلا تفریق مذہب و نسل تمام طلبا تعلیم پا رہے ہیں۔ جزیرہ کے ہر ضلع میں مسجد موجود ہے۔ یہاں پر ہندوستان کا ہائی کمشنر موجود ہے۔ مگر پاکستان کا نزدیک ترین ہائی کمشنر آسٹریلیا میں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جزائر فیجی کے تعلقات پاکستان کی نسبت ہندوستان سے زیادہ ہیں۔ ہندوستانی حکومت نے بیرونی ممالک میں ہندوستانی زبانیں پڑھانے کیلئے لاکھوں روپے خرچ کئے ہیں۔ حکومت پاکستان کو بھی چاہئے کہ وہ ان ممالک میں خصوصاً جہاں پر برصغیر ہند و پاک کے مسلمان موجود ہیں، اردو کی تعلیم کا بندوبست کرے مثلاً فیجی جزائر، مارشیش، بعض افریقی ممالک اور جنوبی امریکہ وغیرہ میں۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو فیجی ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے ابھرا۔ یہ آزادی برطانیہ کی ۹۶ سالہ غلامی کے بعد ملی ہے۔ ضروری اقدامات پہلے سے کر لئے گئے تھے، اور کلیدی مناصب پر بتدریج مقامی باشندوں کو فائز کیا جاتا رہا۔ فیجی کا نیا آئین بھی بن گیا ہے۔ پارلیمنٹ میں مسلمانوں کو بحیثیت اقلیت کے کوٹہ مقرر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ ہر شخص انتخاب لڑ سکتا ہے۔ اس سے قبل مسلمانوں کو سیاسی نمائندگی حاصل رہی ہے، جو ناعاقبت اندیش مسلمان رہنماؤں کی کوتاہیوں کی بنا پر چھن چکی ہے، میدان سیاست میں دو بڑی پارٹیاں ہیں۔ ایک نیشنل فیڈریشن پارٹی اور دوسری ایلائنس پارٹی۔ سیاسی گروہ بندیوں میں چینیوں کو یورپی باشندوں اور مسلمانوں کو ہندوستانیوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ نواحی جزائر سے آئے ہوئے لوگ فیجی کی اصل آبادی میں شامل کئے جاتے ہیں۔ موجودہ دور میں فیجی کے مسلمانوں کو ایک ایسے ادارے کی سخت ضرورت ہے، جہاں جدید علوم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم و تربیت کا بھی مکمل انتظام ہو۔ ایسا ادارہ قائم ہو جانے کی صورت میں نہ صرف جزائر فیجی کی ضروریات پوری ہو جائیں گی بلکہ نیوزی لینڈ آسٹریلیا بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ مجوزہ ادارہ بلاشبہ جنوبی بحرالکاہل کے ممالک میں ایک اسلامی مرکز کا کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس دور میں اقتصادی، سیاسی اور مذہبی نقطہ نگاہ سے مسلمانوں کی حالت انتہائی غیر محفوظ ہے۔ بیشمار جگہیں ایسی ہیں جہاں تعلیم یافتہ علماء کی تعلیمی سرگرمیوں

کی اشد ضرورت ہے۔ ایسے کارکنوں کی بھی ضرورت ہے جو کہ دینِ اسلام کا کافی علم رکھتے ہوں اور جو تبلیغی کام بھی احسن طریقے سے کر سکیں اور موجودہ حالات میں دینِ اسلام کو صحیح طریقہ سے لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ یہ کارکن اقتصادی طور پر خود کفیل ہوں اور اپنی روزی خود کما کر یکسوئی سے تبلیغی کام سرانجام دے سکیں۔ اسی وجہ سے کوشش کی جاتی ہے کہ فیجی کے زیادہ سے زیادہ مسلم طلباء دینی تعلیم کیلئے غیر ممالک میں بھیجے جائیں گے۔ دینی لٹریچر کی بہت کمی ہے اور ایسا لٹریچر انگریزی اور اردو زبان میں مہیا کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت کو پورا کرنا ہے۔ اس کے برعکس فیجی میں تقریباً تیس مرزائی علماء ربوہ سے اپنی پوری مشنری قوت کے ساتھ اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ مسلمانوں میں اس بات کا شدید احساس پایا جاتا ہے کہ اسلام سے نئی نسلوں کو متعارف کرانے کیلئے اردو اور اسلامیات کو رائج کیا جائے۔ اس سلسلہ میں وہ مستقل کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں حکومت فیجی نے اردو کو ایک قابلِ امتحان زبان کی حیثیت سے پڑھنے کی اجازت دے دی ہے۔ مسلمان اور ہندوستانی باشندے بالعموم ٹوٹی پھوٹی اردو بولتے ہیں جس میں ہندی الفاظ بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہاں اس مغلوبہ زبان کو ہندوستانی کہتے ہیں۔ مسلمان تنظیموں کے تحت چلائے جانے والے سکولوں میں ایسے اساتذہ کی سخت ضرورت ہے جو اسلامیات کی عربی اور اردو میں تعلیم دے سکیں۔ خدشہ ہے کہ بھارتی حکومت اس سے اپنے مقاصد کیلئے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گی۔

جزائر فیجی میں مسلمان اساتذہ اور علماء کو اسلامی لٹریچر کی ناگزیر ضرورت ہے۔ دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کیلئے آزاد اور عالمی لحاظ سے مضبوط جماعتوں کی ضرورت ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ہم مسلم تنظیموں اور مسلم ممالک سے وظائف کی اپیل کریں گے۔ اسلامی لٹریچر بھیجا جانا چاہیئے۔ کتابیں اور رسالے نئے ہوں یا پرانے وہ فرقہ بندی سیاست اور تنقید سے پاک ہونا ضروری ہے۔ چونکہ ہمارا مقابلہ اس وقت ہندو عیسائی اور مرزائی فرقوں سے ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہمارے اپنے مسلمان بھائیوں میں کسی قسم کی بدگمانی اور فرقہ بندی پیدا نہ ہو جس سے کہ وہ اب تک ناواقف ہیں۔

پاکستان کے تمام اداروں اور اسلامی تنظیموں کی ان مقاصد کے حصول کیلئے مدد کی ضرورت ہے۔ ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ ذاتی وجماعتی اختلافات ہمارے کام میں حارج نہیں ہوں گے۔ مسلمان جہاں بھی اقلیت میں ہیں ان کا وجود سخت خطرے میں ہے۔ اسی بناء پر ہم اعانت

کی اپیل کرتے ہیں تاکہ ہم اسلام کو اسلام دشمن طاقتوں اور ان کے پروپیگنڈے سے محفوظ رکھ سکیں، ہم پاکستان کے علماء اور تبلیغی جماعتوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس علاقے کا دورہ کریں۔ فیجی میں کئی مسلم جماعتیں اسلام کے تحفظ کے لئے کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے ایک فیجی مسلم یوتھ آرگنائزیشن ہے، یہ خصوصی طور پر مسلمان نوجوانوں کی فلاح و بہبود اور عمومی طور پر تمام مسلمانوں کے حقوق کیلئے کام کر رہی ہے اسکے زیرِ انتظام ایک دوماہی اخبار "الاسلام" شائع ہوتا ہے، یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جزائر فیجی کی آبادی کا نصف ۲۱ برس سے کم عمر کے نوجوانوں پر مشتمل ہے۔

جب تک فیجی میں جمہوریت قائم ہے ہم اقلیت ہیں کہ ہم تبلیغ کے ذریعے ملک کی اکثریتی پارٹی بن جائیں۔ ہماری اسلامی تحریک کا تصور یہ ہے کہ اسلامی عقائد پہ یقین رکھا جائے، ان کے لئے کام کیا جائے، اُن کیلئے زندہ رہا جائے، اور ان کیلئے مرا جائے۔

کسی قسم کی امداد، کتابیں، رسائل روانہ کرنے کیلئے ہمارا پتہ مندرجہ ذیل ہے:

THE SECRETARY,

THE FIJI MUSLIM YOUTH ORGANIZATION,

G.P.O BOX NO. 622

SUVA, FIJI ISLANDS (SOUTH PAACIFIC OCEAN)

سرمایہ اور محنت

میں توازن

اسلام چونکہ خود دینِ فطرت ہے اور اس کا نظام کسی انتقام یا ردِ عمل پر مبنی نہیں ہے بلکہ نام اور حقیقت دونوں لحاظ سے کائنات انسانی کی عام فلاح و بہبود کا ہمہ گیر نظام اور انسانی ضروریات دینی و دنیوی کے ہر شعبہ میں مستقل انقلابی پیغام ہے اس لئے اس نے اپنے اقتصادی نظام میں اس جگہ بھی مذموم سرمایہ داری کی حمایت نہیں کی بلکہ سرمایہ اور محنت میں ایک ایسا معتدل توازن قائم رکھا ہے۔ کہ اس کے بعد اس جنگ کے لئے کوئی جگہ ہی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ سرمایہ دار "مزدور" کو اپنے سرمایہ داری کے جال میں کن راہوں سے پھانستا اور تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اور اگر وہ راہیں بند کر دی جائیں تو پھر تعاون اور امدادِ باہمی کا وہ قانون جو انسان کی جبلت میں ودیعت کیا گیا ہے، یہاں بھی بغیر افراط و تفریط کے صحیح نقشہ کے مطابق کسطرح باحسن وجوہ نافذ ہو سکتا ہے۔

۱۔ پہلی گرہ جو اس جال میں مزدور کو پھنسانے کیلئے لگائی گئی ہے وہ "اجرت کی کمی" ہے۔ وہ نادار ہے، مفلس ہے، بیچارہ ہے، فاقہ کش ہے اس لئے اسکی محنت کا صلہ ایک روپیہ ہونے کے باوجود سرمایہ دار اس کو چار آنے پر راضی کر لیتا ہے، اس لئے کہ وہ بھوکا ہے تن، پیٹ دونوں کے لئے عاجز درماندہ ہے، سرمایہ دار خوش ہے کہ اُس نے جبر نہیں کیا بلکہ مزدور اپنی مرضی سے اس پر آمادہ ہو گیا اور مزدور یقین رکھتا ہے کہ اگر وہ اس ناواجب اُجرت کو اضطراری طور پر قبول نہیں کرتا تو فاقوں کی بدولت موت کا استقبال لازمی ہے اور یہ کہ دوسرا مزدور مجھ سے زیادہ بدحالی اور اضطرار کی وجہ سے اس سے بھی کم اُجرت پر کام کرنے کو تیار نظر آتا ہے۔

۲۔ دوسری گرہ یہ لگائی گئی کہ کم سے کم مزدوری میں مزدور سے کام زیادہ سے زیادہ لیا جائے اور وہ اس کو بھی اپنے افلاس اور تنگ حالی بلکہ فاقہ کشی کی خاطر منظور کر لیتا ہے، اور اپنی بیچارگی پر آٹھ

آٹھ آنسو بہاکر نو دس گھنٹہ یا اس سے بھی زیادہ محنت کر کے سرمایہ دار کو خوش کرتا ہے تب جاکر بمشکل چار آنے کا حقدار ہوتا ہے۔

لیکن اسلام اپنے نظام میں مفلس اور صاحبِ حاجت کی اس رضامندی کو "مرضی" تسلیم نہیں کرتا اور سرمایہ دار کے ان دونوں پھندوں کو ظلم قرار دے کر اس طلسم کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

فیلسوفِ اسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

"پس اگر مالی نفع ایسے طریقہ پر حاصل کیا جائے کہ اس میں عاقدین کے درمیان تعاون اور عملی محنت کو دخل نہ ہو جیسے قمار یا زبردستی کی رضامندی کا اس میں دخل ہو جیسے سودی کاروبار تو ان صورتوں میں بلاشبہ مفلس اپنے افلاس کی وجہ سے خود پر ایسی ذمہ داریاں عائد کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جن کا پورا کرنا اس کی قدرت سے باہر ہوتا ہے۔ اور اسکی وہ رضامندی حقیقی رضامندی نہیں ہوتی تو اس قسم کے تمام معاملات رضامندی کے معاملات نہیں کہلائے جا سکتے اور نہ ان کو پاک ذرائع آمدنی کہا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ یہ معاملات تمدنی حکومتوں کے اعتبار سے قطعاً باطل اور خبیث ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ من ابواب ابتغاء الرزق)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عزوجل ثلثۃ انا خصمھم یوم القیٰمۃ ومن کنت خصمہ خصمتہ (الیٰ) و رجل استاجر اجیراً استوفیٰ منہ ولم یوفہ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تین قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا۔ اور جس سے میں جھگڑوں اسکو مغلوب و مقہور ہی کر کے چھوڑوں گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہے اور اس کے مناسب اس کی اجرت نہیں دیتا۔

ولیستعملھم فیما یحسّانہ و یطیقانہ بلا اضرار بھما [2]

کام لینے والوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ (آزاد) ہو یا غلام دونوں قسم کے اجیروں سے اس حد تک کام لے کہ وہ اچھی طرح کام انجام دے سکیں اور بقدر طاقت کام

---

[1] بیہقی ج ۶ کتاب الاجارہ [2] محلی ابن حزم احکام الاجارات ج ۸۔

لینا چاہئے اور یہ نہ ہو کہ انکو اتنی محنت کرنی پڑے کہ ان کی صحت وغیرہ کو نقصان پہنچے [1]

۳۔ سرمایہ داری کے جال کی تیسری گرہ یہ ہے کہ مزدور کی اُجرت معین نہ کرے اور اس کی غربت سے فائدہ اٹھاکر یونہی کام پر لگائے اور کام مکمل کرانے کے بعد جو اجرت چاہے دیدے۔ اسلام نے اس کو بھی ناپسند اور ناجائز کہا ہے اور ایسے معاملہ کو خیانت سے تعبیر کیا ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی عن استیجار الاجیر حتی یبین لہ اجرہ۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ مزدور اور اجیر کو اس کی اُجرت طے کئے بغیر کام پر لگالیا جائے۔

۴۔ چوتھی گرہ یہ ہے کہ حق محنت تو مقرر کردیا جائے لیکن ادائیگی میں من مانی رکاوٹ، پریشان کن ترکیبیں اور ظلم و جبر کے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ مزدور کو وقت پر اپنے معمولی حقِ محنت سے بھی فائدہ اٹھانے کا موقع نہ مل سکے۔

اسلام نے اس کا بھی سدباب کیا ہے اور ایسا کرنے کو بدمعاملگی "ظلم" اور بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ اور وہ اپنے اقتصادی نظام میں ایک لمحہ کے لئے بھی سرمایہ دار کے اس ظلم سے درگذر نہیں کرنا چاہتا۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال مطل الغنی ظلم [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مالدار کا مالداری کے باوجود دوسرے کے ادائے حق میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ۔ [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

۵۔ پانچویں گرہ یہ ہے کہ "مزدور" کا حق تلف کرنے اور بہانہ سازی سے "سرمایہ داری" کو فروغ

---

[1] اجیر و مستاجر کے درمیان محنت و اجرت کے صحیح توازن اور کام کے اوقات کے تعین جیسے مسائل کا تعلق مفتی کے فتویٰ سے نہیں بلکہ خلیفہ اور قاضی کے انتظامیات سے تعلق رکھتا ہے اس لئے فقہ کے ان ابواب یا مسائل کی جانب مراجعت ضروری ہے جنہیں متنازعہ مسائل کے ذیل میں یا مستقل طور پر ان اختیارات اور قاضی سے بحث کی گئی ہے۔

[2] بیہقی کتاب الاجارہ ج ۶ ص ۱۲ [3] بخاری و مسلم [4] بیہقی ج ۶

سینے کیلئے مزدور پہ کام خراب کرنے کا الزام لگا کہ دئے ہوئے چند ٹکے بھی جرمانہ کے نام سے واپس لے لئے جائیں گویا بزعم خود یہ ظالم سرمایہ دار اپنے نقصان کا تاوان "انصاف" کے نام سے وصول کرتے ہیں۔

اسلام نے اس کو بھی افراط وتفریط سے الگ اعتدال کی حالت پہ لانے کی کوشش کی ہے اور عدل وانصاف کے صحیح اصول پر یہ فیصلہ کیا ہے۔

"اور اجیر مشترک ہو یا خاص یا کاریگر ہو۔ اس پہ مال میں نقصان ہو جانے یا ہلاک ہو جانے سے کوئی تاوان نہیں آتا، تا وقتیکہ اس کا ارادی قصور یا ضائع کر دینا ثابت نہ ہو اور ان تمام امور میں جب تک اس کے خلاف گواہ موجود نہ ہوں، اجیر ہی کا قول معتبر ہے قسم کے ساتھ[1]"

اور ان تصریحات کے بعد اسلام اپنے اقتصادی نظام میں مزدوروں اور پیشہ وروں کو بھی ارباب راس المال کے ساتھ زیادتی اور بیجا تعدی کرنے سے روکتا ہے اور نہیں چاہتا کہ ایک طرف سے افراط اور دوسری طرف سے تفریط ہو۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الکسب کسب العامل اذا نصح۔ ... [2]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام والے کا کام انجام دے

ان تمام احکام عدل وانصاف کے بعد وہ مستاجروں اور اجیروں دونوں کے لئے ایک عام قانون بیان کر کے میزان عدل کو مساوی رکھنے کی سعی کرتا ہے۔ شرح شرعۃ الاسلام میں ہے:

---

[1] محلی ج ۶ ص ۲۰۱ - اور حنفیہ کے نزدیک اجیر خاص کا اگرچہ یہی حکم ہے مگر اجیر مشترک اس اجیر کو کہتے ہیں جو اپنا ایک مستقل فنی کاروبار کرتا ہے اور ہر شخص اس کام کے سلسلہ میں اس سے خدمت لیتا ہے۔ مثلاً سینے کپڑا بننے وغیرہ کا کام لینا۔ اور اجیر خاص سے مراد وہ اجیر ہے جو اپنی خدمات کسی ایک شخص کے لئے بعوض وقف کر دے مثلاً گھر کا ملازم، بیرا باورچی وغیرہ اور اجیر خاص پر ضمان نہ آنے کی دلیل یہ دیتے ہیں۔

لانہ ید ہ ید امین والعین فی یدہ لہ حکم الامانۃ الا اذا تعمد الفساد فانہ یضمن للتعدی۔	مستاجر کی شئے اجیر کے ہاتھ میں امانت ہے اس لئے اس کا حکم امانت ہی کا رہے گا۔ مگر یہ کہ جان بوجھ کر چیز کو برباد یا خراب کرے تو اس صورت میں ضمان آئے گا۔

[2] رواہ احمد مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۸ -

اسلام کی سنت یہ ہے کہ لوگوں (اجیر و مستاجر، بائع و مشتری وغیرہ) کو آپس میں مہربانی رحم اور باہم یک دگر خیر خواہی کے ساتھ معاملات کرنے چاہئیں اور وہ یہ کہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، یعنی معاملات میں صرف اپنے فائدہ ہی کا پہلو پیش نظر نہ ہو بلکہ فریق ثانی کے فائدہ کا بھی خیال رہے [1]

یہی وجہ ہے کہ فیلسوف اسلام شاہ ولی اللہ شاہ دہلوی نے "اجارہ" کو تعاون اور معاونت میں شمار کیا ہے، یعنی ایسے کل معاملات اور کاروبار جو دو فریق کے باہم دگر مدد و اعانت سے نفع بخش ثابت ہوتے ہیں "باب تعاون ہی میں داخل ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

"معاونت کی چند اقسام ہیں اور اجارہ بعض لحاظ سے مبادلہ اور بعض لحاظ سے معاونت ہے" [2]

لیکن اگر ان حقوق میں تصادم پیش آجائے اور ایک دوسرے کے حقوق پر دستبرد کرنے لگے تو اس قسم کے تمام معاملات میں یعنی تعیین مدت عمل تعیین مقدار اجرت، آسائش و راحت کے انسانی حقوق وغیرہ میں "حکومت" کو دخل اندازی کرنی چاہیئے اور خود عدل و انصاف کے ساتھ ان معاملات کو اس طرح طے کر دینا چاہیئے کہ جانبین کے واجبی حقوق میں ظلم کا شائبہ تک باقی نہ رہے۔ چنانچہ نرخ کی گرانی کی بحث میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب ضرر عام اور اجتماعی نقصان کا اندیشہ ہو تو اس وقت حکومت کو مداخلت کا حق ہے۔

ولا یسعر حاکم الا اذا تعدی الارباب عن القیمۃ تعدیا فاحشا فیسعر بمشورۃ اھل الرای [3] — حاکم نرخ میں اس وقت تک مداخلت نہ کرے جب تک "ارباب نرخ" قیمت کی گرانی میں زیادتی پر نہ اتر آئیں۔ اس وقت امام کو اہل الرائے کے مشورہ سے نرخ مقرر کر دینا چاہیئے ۔۔۔۔۔۔

یعنی امام کو متعلقہ امر کے ماہرین کی مجلس شوریٰ یا سب کمیٹی مقرر کرکے اس کے مشورہ سے اقدام کرنا چاہیئے۔

الحاصل اسلام اپنے اقتصادی نظام میں صنعت و حرفت اور تجارت پر بہت زور دیتا ہے۔ اور جگہ جگہ ایماندار تاجروں کو خدا کی رضا اور جنت کی بشارت سناتا اور اسکو خوش عیشی اور رفاہیت

---

[1] ص ۲۴۲ فصل فی طلب الحلال [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ [3] در مختار مع الشامی ج ۵ باب الحظر والاباحۃ۔

کی راہ بتاتا ہے۔ نیز انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیشے اور کسب معاش کے واقعات سنا کر صنعت وحرفت کی ترغیب دیتا اور گھریلو اور دستی کاریگری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کیونکہ یہی وہ طریقہ ہے جس سے عوام کی بیروزگاری دور ہوتی ہے اور عام طور پر متوسط خوشحالی کی راہیں کھل جاتی ہیں ــــــ

اسی طرح "ملوں اور کارخانوں" کی جدید ایجادات کے سلسلہ میں بھی اس کا قانونِ اقتصادِ جماعتی فلاح وبہبود کے قوانین سے عاجز و درماندہ نہیں ہے۔ اس لئے وہ حکم دیتا ہے کہ اس کے نظام میں ان ملوں اور کارخانوں کا استعمال صحیح طور پہ تو جب ہی ہو سکتا ہے کہ حکومت رفاہِ عام اور مفادِ عامہ کی خاطر ان سے کام لے اور اربابِ دولت کو ایسے مواقع مہیا نہ ہونے دے کہ وہ غریبوں کو اپنی مشینوں کے پُرزوں ہی کی طرح سمجھ کر اپنی اغراض کا آلۂ کار بنا لیں اور اس طرح عام فقر و فاقہ کے ساتھ مخصوص افراد یا گروہ میں دولت "کنز" بن کر جمع ہو جائے اور اگر پبلک میں سے دولت مند حضرات ملک کی دولت میں اضافہ کرنے اور اپنی رفاہیت میں جائز بہبات پیدا کرنے کے لئے "حکومت" سے اجازت خواہ ہوں تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ مندرجہ بالا شرائط و حدود کے ساتھ ان کو اجازت دے تاکہ افراط و تفریط سے الگ اس بارہ میں ایسا توازن قائم ہو جائے کہ اربابِ سرمایہ، مذموم سرمایہ داری تک نہ پہنچ سکیں اور اجیر و مزدور حیوانوں اور غلاموں کی طرح نہیں بلکہ باہمی اشتراک و تعاون کے ساتھ اپنی معاشی زندگی کو باحسن وجوہ حاصل کر سکیں کیونکہ یہ اگر حاصل ہو جائے تو پھر مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ کے امکانات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

رہے مزدوروں اور غریبوں کے حفظانِ صحت، خوراک ولباس کی آسائش، بچوں کی تعلیم وغیرہ معاملات، سو ان کے لئے اسلام کا ایک ہی فیصلہ ہے کہ حکومت (خلافت) بغیر امتیاز امیر و غریب پبلک کی تمام قسم کی جائز اور واجب ضروریات کی کفیل اور ذمہ دار ہے۔ ❁❁

مرتبہ : محمد اقبال قریشی ھارون آبادی

علوم و معارف

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

۳۸۔ خانصاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتویؒ کو حرام کے طعام سے جیسے نفرت تھی ویسے ہی اسکا احساس بھی جلد کرتے تھے مگر دعوت بوجہ دلداری ہر ایک کی منظور فرما لیتے تھے اور پھر اگر قے کر لیتے تھے۔ (ارواح ثلاثہ ص۲۷۶) حاشیہ حضرت حکیم الامتؒ : دعوت کی منظوری حرام بین ہونے کی صورت میں نہ تھی بلکہ مشتبہ ہونے کی صورت میں جو فتویٰ سے حلال ہے، کیا انتہا ہے اخلاق و شفقت کی۔ (شریف الدرایات)

۳۹۔ خانصاحبؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتویؒ نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو محتاج سمجھ کر دیتا ہے۔ اس کا ہدیہ تو لینے کو جی نہیں چاہتا اور جو اس غرض سے دیتا ہے کہ ہمارے یعنی دینے والے کے گھر میں برکت ہو اور ہمارے لے لینے کو ہمارا احسان سمجھے اس کا ہدیہ لے لینے کو جی چاہتا ہے اگرچہ وہ چار ہی پیسے ہوں۔ (ارواح ثلاثہ ص۲۷۷) حاشیہ حضرت حکیم الامتؒ : قولہ جو شخص ہم کو محتاج۔ الخ (اقول) وجہ اس تفصیل کی یہ ہے کہ محتاج سمجھ کر دینا عادةً ذلیل سمجھ کر دینا ہوتا ہے۔ اور یہ آداب ہدیہ کے خلاف ہے کہ مہدیٰ الیہ کو ذلیل سمجھا جائے۔ (شریف الدرایات)

۴۰۔ خانصاحبؒ نے فرمایا، کہ حضرت نانوتویؒ کو یوں تو ولی اللّٰہی خاندان کے ایک ایک فرد سے محبت اور فدائیت تھی مگر مولانا شہیدؒ سے عشق تھا۔ ان کا ذکر سن نہ سکتے تھے، کسی نے تذکرہ چھیڑا تو اسکی بات کاٹ کر خود ان کا ذکر شروع کر دیتے تھے۔ (ارواح ثلاثہ ص۲۷۷) — حاشیہ حضرت حکیم الامتؒ : یہ بات کاٹنا ایسے لطیف طور پر ہوتا تھا کہ بات کرنے والے کو ناگوار نہ ہو ——

۴۱۔ خانصاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ سے دریافت کیا کہ حضرت آپ سید صاحبؒ کو مجدد مانتے ہیں تو ان کی نسبت سب سے اعلیٰ ہونی چاہیئے۔ پھر انکی نسبت کا شاہ عبدالرحیمؒ کی نسبت سے گھٹا ہونا کیا معنی۔ اس کے جواب میں مولاناؒ نے فرمایا کہ جس بات کیلئے مجدد آتا ہے، اس میں اس سے

کوئی بڑھا ہوا نہیں ہوتا، ہاں دوسری حیثیت سے جیسے ذکر و اشغال وغیرہ میں بڑھ جائے تو اسکا مضائقہ نہیں۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۰۱) الحمدللہ! معارف از ارواح ثلاثہ ختم ہوئے، آئندہ فرمایا سے مراد "حضرت حکیم الامت نے فرمایا" حسب سابق ہوگی۔

۴۲۔ فرمایا: بندے وہ تھے جیسے مولانا محمد قاسمؒ کہ فرمایا کرتے تھے اگر چار حرف جاننے کی تہمت نہ ہوتی اور اس سے لوگ جان نہ گئے ہوتے تو ایسا گم ہوتا کہ کوئی یہ بھی نہ پہچانتا کہ قاسم دنیا میں پیدا ہوا تھا (کمالات اشرفیہ ص ۱۷۵) ارواح ثلاثہ ص ۲۷۹ میں یہ بھی ہے کہ فرمایا کہ میں جسطرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پہ لگا ہوا ہے۔ اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسمؒ کی خاک تک کا پتہ نہ چلتا۔ پرندوں کا گھونسلہ بھی ہوتا ہے، میرے یہ بھی نہ ہوتا اور کوئی میری ہوا تک نہ پاتا۔ حضرت حکیم الامتؒ شریعت الدرایات میں فرماتے ہیں یہ ہے جامعیت کہ سب کا مناسب حق ادا کیا جائے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام سنداں باختن

۴۳۔ فرمایا: حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے۔ ایک لسان عطا فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت شمس تبریزیؒ کو مولانا رومیؒ لسان عطا ہوئے جنہوں نے حضرت شمس تبریزی کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرما دیا۔ اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسمؒ لسان عطا ہوئے۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں اپنی تصنیف کو حضرت حاجی صاحبؒ کو سنا دیتا ہوں، تب مجھے اس کے مضامین پر اطمینان ہوتا ہے کہ ٹھیک ہیں بدوں سنائے اطمینان نہیں ہوتا اور ایک بڑی لطیف بات فرماتے تھے کہ ہمارے ذہن میں مبادی پہلے آتے ہیں یعنی مقدمات اول آتے ہیں، ان کے تابع ہوتا ہے۔ نتیجہ اور ان حضرات کے ذہن میں نتائج پہلے آجاتے ہیں۔ اس لئے جب سنا لیتا ہوں تو اطمینان ہو جاتا ہے کہ مقاصد تو ٹھیک ہیں مقدمات چاہے غلط ہوں۔ انکی کیا ہے، انہیں تو خود ٹھیک ٹھاک کر لیں گے۔ مقاصد تو صحیح ہیں جتنے وہبی علوم بزرگوں کے ہیں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ بس ایک سچی بات قلب میں پڑ گئی ان کے متبعین میں جو اہل علم ہوتے ہیں وہ یہ کرتے ہیں کہ اسکی تقویت اور تائید دلائل سے بھی کر دیتے ہیں تو ان کے دلائل تابع مقاصد کے ہوتے ہیں۔ بخلاف علماء رسوم کے کہ ان کے مقاصد تابع دلائل کے ہوتے ہیں۔ (حسن العزیز جلد ۱ ص ۲۸۲)

۴۴- فرمایا: مولانا محمد قاسمؒ مسلمانوں سے مناظرہ نہیں کرتے تھے، ہاں کفار سے کرتے تھے۔ (مسلمانوں کے مناظرہ سے نفور تھے) حسن العزیز ج ۱ ص ۲۸۶

۴۵- فرمایا: ایک بار جاڑے کے دنوں میں حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اپنی رضائی تو کسی مہمان کو دے دی۔ پھر مولانا گنگوہیؒ سے انکی اپنے لئے رضائی مانگی تو فرمایا کہ اپنی رضائی کیوں دوسرے کو دے دی میں تو اپنی رضائی نہیں دیتا۔ جب انہوں نے کہا حضرت میں رات بھر جاڑے مروں گا۔ تب دو شرطوں سے دی ایک یہ کہ تہجد کے وقت مجھے واپس کر دینا کیونکہ لحاف اوڑھ کر مجھ سے نہ اٹھا جائے گا۔ اور دوسرے کسی اور شخص کو مت دینا۔ تاکہ کسی کی جوں نہ چڑھ جاوے (حسن العزیز ص ۲۳۹ ج ۱)

۴۶- فرمایا: مولانا محمد قاسم صاحبؒ ایک رئیس کی دینداری کے بہت مداح تھے لیکن کبھی ملے نہیں۔ علی گڑھ میں تشریف رکھتے تھے، وہ رئیس صاحب ملنے کے لئے آئے۔ جب سنا کہ وہ صاحب آ رہے ہیں، علی گڑھ چھوڑ کر چلے گئے ملے نہیں۔ عرض کیا گیا کہ وہ رئیس صاحب تو طالب دین ہو کر آ رہے تھے۔ پھر بھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اعراض فرمایا کہ ہر بزرگ کی جدا شان ہوتی ہے۔ طبائع مختلف ہوتے ہیں۔ حضرت مولاناؒ کی طبیعت ہی ایسے واقع ہوئی تھی کہ ان کو امراء سے انقباض ہوتا تھا، تکبر تو برا، امراء کو حقیر کیوں سمجھے لیکن اختلاط بھی کیوں کرے۔ کہیں پھنس ہی جائے تو پھر بد خلقی نہ کرے۔ (حسن العزیز ج ۱ ص ۳۳۹)

۴۷- فرمایا: ہمیں تو وہ طرزِ دعوت پسند ہے جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا تھا۔ ان کی دعوت ایک طالب علم نے کی۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ بھائی اس شرط سے قبول ہے کہ صرف وہی کھانا ہو جو تمہارے لئے دوسرے کے گھر سے آتا ہے۔ ان کا کھانا کہیں مقرر تھا۔ انہیں تو مولاناؒ کو کھلانا منظور تھا۔ اس لئے مجبوراً انہوں نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ جو کھانا ان کے لئے آیا وہی مولاناؒ کے سامنے رکھ دیا۔ مولاناؒ نے کھا لیا۔ (حسن العزیز ج ۱ ص ۲۶۵)

۴۸- فرمایا: مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک مرتبہ پہلیوں کا وعظ کیا تھا۔ ہر چیز کیلئے ایک پہیلی ثابت کی تھی، اس کے متعلق مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک نہایت لطیف مضمون فرمایا تھا۔ حدیث پڑھنے والوں کے سمجھنے کے لائق، واقعی محقق سمجھتا ہے قرآن و حدیث کو، وہ مضمون یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن اس زمین کا پیڑا بنا کر اسکی روٹی پکا کر اوّل غذا جنتیوں کو یہ دیں گے۔ اب اس میں ظاہر میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا اہل جنت کو خاک پتھر کھلائیں گے۔ یہ اچھا انعام جنتیوں کو ملے گا۔ تو اسکا اسی قاعدہ پر متفرع کر کے

سمجھو کہ تم اپنے مہمان کو بے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھلاتے تو حق تعالیٰ بلا چھنے ہوئے کیوں کھلائیں گے، چنانچہ زمین اس طرح چھانی جائے گی کہ مٹی پتھر سب نکل جائیں گے اور صرف اجزاء لطیفہ رہ جائیں گے۔ باقی یہ بات کہ اس میں اجزاء لطیفہ کہاں ہیں سو اسکو یوں سمجھو کہ جتنی نعمتیں کھانے پینے کی نکلتی ہیں ظاہر ہے کہ وہ سب زمین سے نکلتی ہیں۔ اور وہ زمین کے اجزا ہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں ایسے ایسے اجزاء لطیفہ مبطون ہیں۔ پس ان اجزا کو حق تعالیٰ علیحدہ کر دیں گے اور وہ انکی غذا بنے گی۔ سو وہ تو الاجمع الاشیاء ہوگی اور غالباً اس میں حکمت یہ ہوگی کہ بہت سے بندگانِ خدا مجاہدات و ریاضات میں دنیا کی لذتوں سے منتفع نہیں ہوتے ان کو اگر پیشتر یہ غذا نہ کھلا دی جائے تو وہ جنت کی غذاؤں کا موازنہ نعماء دنیا سے کسطرح کر سکتے ہیں اور بدوں موازنہ کے حظ کم ہوگا۔ اس لئے ان کو وہ غذا کھلا کر دکھلا دیا جائے گا کہ دیکھو دنیا کی نعمتوں کا خلاصہ یہ ہے پھر اس کے بعد فرمائیں گے کہ لو اب کھاؤ یہ ہے جنت کی چیز۔ تو اصل تر اس کے کھلانے سے مقصود یہی ہوں گے۔ مگر ان کے طفیل میں اور سب کو بھی یہ غذا دیں گے۔ پھر فرمایا کہ یہ مضامین ہمارے اساتذہ کے الہامی اور کشفی ہیں۔ (حسن العزیز ج ۱ صـ۱۴۶)

۴۹۔ بروایت مولوی محمد یحییٰ صاحب سہارنپوری فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے کسی نے مولود شریف کی بابت دریافت کیا۔ فرمایا کہ بھائی نہ اتنا برا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ اور نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ یہ اس قدر جامع جواب ہے کہ ایک رسالہ کا رسالہ اسکی شرح میں لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ اس قدر گول جواب ہے کہ عوام نہیں سمجھ سکتے۔ ہر فریق اس جواب کو اپنی تائید میں پیش کر سکتا ہے۔ حضرت مولاناؒ کھلم کھلا کسی کو برا نہیں کہتے تھے، ایسے سوالات کے بہت نرم جواب دیتے تھے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ بالکل صاف صاف کہتے تھے ایک ہی دفعہ میں چاہے ٹھہرو چاہے جاؤ، لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے۔ پہلے میں بھی نرم جوابات کو پسند کرتا تھا۔ لیکن اب تجربہ کے بعد مولانا گنگوہیؒ کا طرز نافع ثابت ہوا۔ نرم جواب میں یہ مصلحت سمجھی جاتی ہے کہ مخاطب کو وحشت نہ ہو اور وہ ہم میں آ جائے حالانکہ یہ غلط ہے وہ ہم میں نہیں آتے۔ وہ تو اپنے اسی خیال کی بناء پر ہم میں آئے ہیں تو یہ در اصل ہم میں آنا نہ ہوا، ہاں ہم ہی کچھ ادھر چلے گئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی تعریف سن کر ایک صاحب سماع آئے، حسب معمول مولاناؒ نے نہایت عزت کے ساتھ ان کو مہمان بنایا اور سب طالب علموں کو سمجھا دیا کہ خبردار کوئی گفتگو ان کے طریقہ کے خلاف نہ کی جائے کیونکہ مہمان کی دلشکنی نہیں چاہیئے۔ کسی نے اس واقعہ کی

خبر حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں کردی۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ بہت بُرا کیا بدعتی کا اکرام جائز ہی کہاں ہے۔ اس شخص نے یہ اعتراض حضرت مولانا نانوتویؒ کے پاس پہنچا دیا۔ تو فرمایا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر مہمان تک کا اکرام فرمایا ہے۔ اس شخص نے اس جواب کو مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ کافر کے اکرام میں غلط فہمی اور فساد کا احتمال نہیں بدعتی کے اکرام میں عوام کی غلط فہمی اور فساد عقیدہ کا اندیشہ ہے اس لئے ناجائز ہے اس جواب کو پھر اس شخص نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی خدمت میں پہنچ کر بیان کیا تو مولاناؒ نے اسکو ڈانٹ دیا کہ یہ کیا واہیات ہے، ادھر کی اُدھر، اُدھر کی ادھر لگاتے پھرتے ہو، بیٹھو اپنا کام کرو۔ (حسن العزیز ج ۱ ص ۱۰۷، ص ۳۸۲)

۵۰۔ ایک بار حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جتنی محبت پیروں کے ساتھ مریدوں کو ہوتی ہے، حضرت حاجی صاحبؒ سے مجھ کو اتنی نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے سن کر ادھر اُدھر کی باتیں کرکے فرمایا کہ اب تو ماشاء اللہ آپ کی حالت باطنی حضرت حاجی صاحبؒ سے بھی بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ: لاحول ولا قوۃ، استغفر اللہ، بھلا کہاں حضرت کہاں میں۔ ؏ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ مجھے اس بات سے بڑی تکلیف ہوئی۔ بڑا صدمہ ہوا۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ خیر آپ ان سے بڑھے ہوئے نہ سہی لیکن میں پوچھتا ہوں یہ تکلیف آپ کو کیوں ہوئی، بس یہی ہے محبت آپ تو کہتے تھے مجھے حضرتؒ سے محبت ہی نہیں، اگر محبت نہ تھی تو یہ صدمہ کیوں ویسے ہی اپنی فضیلت کی نفی کر دیتے بس یہی محبت ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی تم بڑے استاد ہو بڑی بے تکلفی تھی آپس میں (حسن العزیز ج ۱ ص ۳۵۶)

۵۱۔ فرمایا: ایک جگہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ وعظ فرما رہے تھے، مولانا گنگوہیؒ بھی شریک تھے، ایک صاحب بولے کہ خیر وعظ کی مجلس میں بیٹھنے کا ثواب تو ہو گیا۔ باقی سمجھ میں کچھ آیا نہیں اگر مولاناؒ عام فہم مضامین بیان فرمایا کریں تو کچھ نفع بھی ہو۔ مولانا گنگوہیؒ سن رہے تھے۔ فرمایا کہ افسوس ہے شاہباز عرش سے درخواست کی جاتی ہے کہ زمین پر اڑے۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں وعظ میں جو کہیں کسی قدر رک جاتا ہوں تو سوچنے کی غرض سے نہیں بلکہ مضامین کا اس قدر ہجوم اور تواتر ہوتا ہے کہ پریشان ہو جاتا ہوں، سوچتا ہوں کہ کس کو مقدم کروں، کس کو مؤخر کروں۔ (حسن العزیز ج ۱ ص ۳۸۲)

۵۲- فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ پر اخلاق کا اس قدر غلبہ تھا کہ بعض اوقات عوام کی مصلحت کا بھی خیال نہ رہتا تھا۔ ایک صاحب نے میرٹھ میں مولاناؒ سے دریافت کیا کہ مولوی عبدالسمیع صاحب تو مولود شریف کرتے ہیں۔ آپ کیوں نہیں کرتے، فرمایا کہ بھائی انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کرتے ہیں۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ محبت نصیب کرے ــــ مولوی عبدالسمیع صاحب خود مجھ سے کہتے تھے کہ ایسے سے بھلا کوئی کیا لڑے۔ (حسن العزیز ج۱ ص۳۷۶)

۵۳- فرمایا کہ ایک معقولی مولوی صاحب سے مناظرہ کرنے کی غرض سے مولانا محمد قاسم صاحبؒ رامپور تشریف لے گئے تھے۔ سنا تھا کہ وہ کچھ اکابر کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ــــ مثلاً شاہ عبدالعزیز صاحبؒ۔ مولاناؒ کو ناگوار ہوا۔ گو نہایت متواضع تھے، لیکن اکابر کے متعلق ایسے مضامین سن کر فرمایا کہ مجھے چاہے گالیاں دے لیں۔ لیکن جن کی جوتیاں سیدھی کرکے کچھ پڑھا پڑھایا ہے ان کی بابت تو سنا نہیں جاتا۔ (سب تمہاری زیارت کو آتے ہیں تم مجھے اپنی زیارت کرا جاؤ۔ یہ ایک بوڑھے شخص نے رامپور سے کہلوایا تھا، اس غرض سے بھی رامپور تشریف لے گئے) غرض جب مولانا پہنچے تو وہ مولوی صاحب خود تو سامنے نہیں آئے لیکن اپنے آدمیوں کو بھیجنا شروع کیا۔ مولاناؒ تھے بڑے دلیر گو تواضع کی شان بھی نہایت بڑھی ہوئی تھی مگر موقع پر بالکل بیباک ہو جاتے تھے۔ فرمایا کہ اپنے استاد کو لاؤ، چوڑیاں کیوں پہن لیں، پردہ سے باہر کیوں نہیں نکلتے مگر خود نہیں آئے۔ مولاناؒ نے وعظ میں بھی کہا کہ خود پردہ میں بیٹھ کر اوروں کو بھیجتے ہیں۔ یہ کیا زنانہ پن ہے۔ ہمت ہے تو سامنے آئیں لیکن اس پر بھی ان کی ہمت نہیں ہوئی۔ مولانا کی ذکاوت سے سب ڈرتے تھے۔ مولوی اسحاق صاحب کے ایک استاد عامل بالحدیث کہتے تھے کہ میں مولانا کی مجلس میں پہنچا۔ مولانا قرات فاتحہ خلف الامام کو عقلی دلائل سے ثابت کر رہے تھے کہ مجھے کسی جگہ خدشہ ہوا۔ لیکن چپ ہو گیا کہ ان سے گفتگو کرنا بھاڑ اپنے پیچھے لگا لینا ہے۔ ان سے عہدہ برا ہونا مشکل ہے۔ مولانا بے حد ذکی تھے۔ ایک مولوی صاحب غیر مقلد بہت تیز ہیں میں بھی ان سے ملا ہوں ان کے چہرہ اور لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بے حد ذکی ہیں۔ انہوں نے مولاناؒ سے کہا کہ مجھے امام صاحبؒ کے بعض اقوال میں چند شبہ ہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا متاخرین کی تفریعات کو تو میں نہیں کہتا لیکن خاص امام صاحب کے جتنے اقوال ہیں میں دعویٰ کرتا ہوں کہ خود امام صاحب کے جس مسئلہ کو چاہے پوچھ لیجئے حدیث سے ثابت کر دوں گا۔ حالانکہ مولانا کی کتابوں پر کچھ زیادہ نظر نہ تھی۔ یہ واقعی بہت بڑا دعویٰ ہے۔ فرمایا کہ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ خاص امام صاحب کا ایک قول بھی حدیث

کے خلاف نہیں وہ مولوی صاحب چند مسائل پوچھ کر چپ ہو گئے جانتے تھے کہ کیسے شخص ہیں۔ رامپور کے وعظ میں مولانا نے دعویٰ کیا تھا کہ لوگوں نے معقول معقول پکار رکھا ہے، پھر اصل علم تو قرآن و حدیث میں ہے۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ جتنے مسائل فلسفی ہیں، نفیاً یا اثباتاً سب قرآن میں موجود ہیں ایک صاحب نے اٹھ کر کہا جزءلا یتجزیٰ کے مسئلہ میں متکلمین اور حکماء کا کیا اختلاف ہے مولانا نے فوراً فرمایا متکلمین کی رائے صحیح ہے۔ قرآن سے ثابت ہے۔ پھر سورہ واقعہ کے شروع کی آیتیں پڑھ کر کچھ مقدمات ملا کر فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ۔ سے ثابت کر دیا کہ یہ تجزیہ عدم تجزیہ تک واقع ہوگا۔ سب خاموش بیٹھے رہے، کوئی کچھ نہ بول سکا۔ (حسن العزیز ج۱ ص۳)

۵۳ - فرمایا: نواب کلب علی خان کا زمانہ تھا، نواب صاحب نے بلوا بھیجا کہ آپکو تکلیف تو ہوگی لیکن مجھے زیارت کا بے حد اشتیاق ہے۔ مولاناؒ نے اوّل تہذیب کا جواب کہلا بھیجا کہ میں ایک کاشتکار کا بیٹا ہوں۔ آداب دربار سے ناواقف ہوں۔ کوئی بات آداب دربار کے خلاف ہوگی تو یہ نازیبا سا ہے۔ نواب صاحب نے کہلا بھیجا کہ حضرتؒ آپ کیلئے سب آداب معاف ہیں۔ پھر مولاناؒ نے کہلا بھیجا کہ وہ جواب تو تہذیب کا تھا۔ اب ضابطہ کا جواب دینا پڑا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے ملاقات کا اشتیاق ہے سبحان اللہ اشتیاق تو ہو آپ کو اور حاضر ہوں میں یہ عجیب بے جوڑ بات ہے۔ پھر نواب صاحب کی ہمت نہ بلانے کی ہوئی نہ خود حاضر ہونے کی۔ واقعی مولاناؒ بڑے تارک تھے۔ امراء کے معاملہ میں تو بڑے غیور تھے میرے سامنے جامع مسجد دیوبند میں ایک تحصیلدار پیچھے بیٹھے تھے۔ ان کا خادم آیا کہ تحصیلدار صاحب کو کچھ مشورہ کرنا ہے۔ اس زمانہ میں قانون بہ متعلق نکاح خوانی آیا تھا۔ آپ کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔ ذرا تکلیف فرمائیے۔ مولاناؒ نے جھڑک دیا کہ جاؤ۔ (حسن العزیز ج۱ ص۳۸۱)

۵۴ - فرمایا: کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں فقیہ کو دیکھوں تو وہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو دیکھے تو اسکی قسم پوری ہو جائے گی۔ (مجالس حضرت حکیم الامت)

۵۵ - فرمایا: شاہجہان پور کے ایک بزرگ نے حضرت مولانا نانوتویؒ سے فرمایا تھا کہ جب میں لوگوں کے پیٹ میں سور کتے بولتا دیکھتا ہوں تو پھر کیسے ہر ایک کی چیز لے لوں۔ (العشر) بعض بزرگوں کو کشف ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ ہر ایک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔

مولانا لطافت الرحمن
مدرس جامعہ اسلامیہ بہاولپور

اردو انسائیکلوپیڈیا کی ایک عظیم غلطی

میں کتاب (اردو انسائیکلوپیڈیا، ایڈیشن سنہ ۱۹۶۲ء ادارہ تحریر۔ ڈاکٹر عبدالوحید۔ سید سبط حسن، احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔ قیمت ۳۵/- روپے) کی ایک ایک غلطی پر اظہار افسوس کرتا ہوں، براہ کرم ایک علمی خدمت جان کر شائع فرمائیں۔

غلطی یہ کہ اس کتاب میں ص ۱۶۶ پر لکھا گیا ہے کہ امرأ القیس دور جاہلیت کے مشہور و معروف شاعر باپ کا نام عابس اور قبیلہ کندہ سے تھے سنہ ۱۰ھ میں مدینہ آکر اسلام قبول کیا، اور وطن واپس چلا گیا حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اس کا سارا قبیلہ مرتد ہو گیا۔ لیکن امرأ القیس خود اسلام پر ثابت قدم رہا۔ اور چونکہ وہ بڑا قادر الکلام شاعر تھا۔ اس لئے دیگر ذرائع کے علاوہ شاعری سے بھی اپنے قبیلے کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔ جس کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ یہ عرب کے بہترین شعراء میں سے تھا اس کا کلام اب تک محفوظ ہے۔ دیوان امرأ القیس ایک مشہور کتاب ہے۔

اسی طرح ایک دوسری کتاب "عالمی معلومات" مرتبہ محمد اکرم رہبر میں بھی عنوان "شخصیات" کے ذیل میں ص ۳۳۲ پر لکھا گیا ہے کہ۔ امرأ القیس دور جاہلیت کا ممتاز ترین شاعر صاحب معلقہ نے سنہ ۱۵ھ میں اسلام قبول کیا۔

حالانکہ دور جاہلیت کے ممتاز ترین اور مشہور و معروف قادر الکلام شاعر ملک ضلیل کندی کے متعلق پہلی کتاب کا سارا افسانہ اور دوسری کتاب کا مختصر نوٹ سراسر غلط ہے۔ بلکہ وہ تو امرأ القیس بن حجر کندی جاہلی ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی ولادت سے ۳۵/۴۰ سال قبل انقرہ میں مرگیا تھا۔ نہ تو اس کے باپ کا نام عابس یا عانس ہے اور نہ ہی اس نے عہد رسالت پاکر اسلام قبول کیا ہے۔ اس کا سن ولادت و وفات منجد ص ۳۳ کے تازہ ایڈیشن میں تو بالترتیب ۵۰۰ء ۔ ۵۴۰ء لکھا گیا ہے، اور معجم المؤلفین ص ۳۲۰ پر خیرالدین زرکلی کی کتاب "الاعلام" کے ص ۳۵۱ پر ۴۹۷ء ۔ ۵۴۰ء درج ہے۔

غرض یہ کہ یہ امرأ القیس محض جاہلی ہے نہ تو وہ مخضرمی ہے اور نہ اسلامی۔ چنانچہ اردو انسائیکلوپیڈیا

ایڈیشن ۱۹۶۳ء میں ص۱۵۸ پر اس کا یہی مندرجہ بالا سن ولادت وفات نوٹ ہے۔ اور یہ الفاظ بھی کہ امرألقیس چھٹی صدی ظہور اسلام سے قبل عرب کا نامور شاعر ـــ الخ

اس مذکورہ بالا فروگذاشت کا پس منظر معلوم کرنے کیلئے میں نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی لائبریری میں چند دیگر متعلقہ کتابوں کو دیکھا، تو زرکلی کی کتاب "الاعلام" کے ص۳۵۱، ص۳۵۲، ص۳۵۳ پر امرألقیس نام کے پانچ آدمیوں میں دو شاعر دیکھ کر یہ پوری حقیقت سامنے آئی کہ مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں عرب دور جاہلیت کے ممتاز ترین اور مشہور و معروف جاہلی قادر الکلام شاعر، امرألقیس بن حجر بن حارث کندی اور دوسرے اسلامی امرألقیس بن عابس یا عانس کندی کے حالات میں نہایت بے احتیاطی سے خلط کیا گیا ہے۔ اور صرف اشتراک نام کی وجہ سے آخر الذکر کے حالات کو اوّل الذکر پر منطبق کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ دونوں حوالوں میں خاص طور پر خط کشیدہ الفاظ کا مصداق صرف اور صرف وہ ہے۔ دوسرا امرألقیس نہ تو جاہلی ہے۔ اور نہ شعراء عرب کے طبقۂ عالیہ میں شمار ہے۔ اور نہ ہی سبعہ معلقات میں اس کا کوئی معلقہ ہے، زرکلی کی کتاب "اعلام" کے ص۳۵۲ پر اس کا سن ولادت ۶۲۵ھ اور سن وفات ۶۶۵ء موجود ہے۔

دراصل افسوس اس بات کا ہے کہ تصنیف و تالیف کے اس علمی مشغلہ کو بھی ایک کاروباری شکل دیدی گئی ہے۔ اور ہر صاحب قلم کچھ سطحی معلومات کا ذخیرہ فراہم کر کے غیر متعلقہ علوم میں بھی تصنیف کرنے لگتے ہیں۔ یہاں ایک عربی کتابچہ نظر سے گذرا جس میں سکول کے لئے لفظ "مکتبہ" لکھا گیا ہے۔ جبکہ عربی میں "مکتبہ" "کتب خانہ کو کہتے ہیں اور سکول کے لئے لفظ "مکتب" بہ غیر تاء کے ہے سچ کہا گیا ہے ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا است
کار طفلان تمام خواہد شد

خیر اس سلسلہ میں اس طرح کے چھوٹے چھوٹے مصنوعی مصنفین کی غلطیوں کا تو شمار ممکن نہیں ہے۔ لیکن محولہ بالا کتاب چونکہ نہایت مفید، عظیم، ضخیم، اور بلند معلوماتی انسائیکلوپیڈیا تھی اسی وجہ سے اسکی فروگذاشت کا نوٹس لیا گیا۔

مرحوم مشاہیر کے خطوط
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے نام

از جناب خان محمد زمان خان خٹک مرحوم

تبرکات و نوادر

اکوڑہ
۳۰ مارچ ۱۹۴۵ء

ہمہ نقدِ حیاتم رفتہ برباد
کہ جنسِ کاسدِ عصیاں خریدہ

محترم مولانا۔ السلام علیکم۔ تعزیت نامہ سے قلبِ حزیں کو تسکین حاصل ہوئی۔ یہ کہن ویرانہ جسکا دوسرا نام محن سرائے دنیا ہے، مصائب و نوائب کا گھر غموم و ہموم کا مسکن ہے۔ اس کا مایۂ خمیر اشک و خون سے اٹھایا گیا ہے، ایک بصیر آدمی کے لئے تو خاصا ماتم کدہ ہے، گوناگوں ابتلاؤں سے پُر اور مختلف آزمائیشوں سے معمور ہے کسی کو مال و دولت عزّ و جاہ تندرستی و اولاد کے دامِ زرّین میں پھنسایا گیا ہے اور کسی کو درد و کرب، فقر و افلاس امور دنیا میں ناکامی و نامرادی، بے کسی و بے اولادی کی جانگسل و حوصلہ فرسا پریشانیوں کا شکار بنایا گیا ہے، دونوں حالتوں میں تائیدِ الٰہی کے بغیر انسان ظلوم و جہول شیوۂ شکر و صبر سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا جس کے پہلو میں درد آشنا دل رکھا گیا ہے، اس کو لذّت کی چاشنی ملتی ہے قاسی القلب غفلت شعار مردہ دل انسان اس وجدانی لذّت و سرور سے بہرہ اندوز سعادت نہیں ہو سکتا۔ ایک قانع درویش با خدا جو سکینہ و طمانیت اپنے حق آگاہ قلب میں محسوس کرتا ہے، اس سے جاہ پرست شخص کا دل یکسر خالی ہوتا ہے۔ ابن آدم کو سفرِ حیات میں قدم بقدم پُر آشوب دشواریاں اور ہمت شکن مشکلات پیش آتی رہتی ہیں جن کا مقابلہ مردِ عارف ہی روحانی طاقت سے کر سکتا ہے۔ ہم جیسے لفاظی کے شیدا اور محض قال کے دلدادہ جن کے دل ذوقِ عمل سے عاری اور ضمیر دنیاوی کدورتوں سے مکدر ہو چکے ہوں۔ روحانی سرور اور قلبی طمانیت کا سرمایہ کھو چکے ہوں وہ تو بارِ زمین اور ننگِ انسانیت ہی کہلانے کے مستحق ہیں ۔۔ مولانا میں تو اعرابی کا عقیدۂ توحید چاہتا ہوں نہ کہ فلسفی کا استدلالی ایمان جو تزلزل اور تذبذب سے خالی نہیں ہوتا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی سی راسخ الایمانی، حضرت بلالؓ کی سی فدویت مطلوب ہے۔ اور بغیر کسی توشۂ آخرت مجاناً عفو و بخشش کا امیدوار ہوں ۔ مولانا شہنواز مرحوم ایسے اوصافِ حمیدہ کا علمبردار رہتا جو معلوم عوام نہیں۔ وہ سیر چشم و قانع تھا، غیور و خود دار تھا، پابندِ صوم و صلوات شب زندہ دار تھا۔ اس کے فقدان سے ہمارے لئے ایسی خلا پیدا ہو گئی ہے، جس کا پر ہو جانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

—— آئیے کہ آپ اور ہم خلوص دل سے مرحوم کے واسطے دعائے مغفرت طلب کریں۔ بحمد للہ آپ کے قائم کردہ مدرسہ[2] اسلامیہ کا سالانہ امتحان ہوچکا۔ عربی جماعت خصوصیت سے لائق ستائش ثابت ہوئی جس پر آپ کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں والسلام مع الاکرام۔
عزیز نثار الحق سے بعد از سلام کہہ دیجئے کہ تعزیت نامہ پہنچا تھا۔

آپ کا نیاز مند
محمد زمان خٹک[1]

---

[1] خاندان خٹک کے باکمال بزرگ اور خانوادہ خان محمد خوشحال خان خٹک مرحوم کے گل سرسبد، کمالات ظاہری و معنوی کی ایک دلآویز تصویر خان بہادر محمد زمان خان خٹک رئیس اکوڑہ خٹک ۹ جنوری ۱۹۶۲ء ۲ رجب ۱۳۸۱ھ کو وفات پائی۔ پشتو ادب سے ذوق اور مہارت ورثہ میں ملی تھی۔ اردو اور فارسی ادب میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ کلام کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ مکتوب الیہ کے ساتھ نہایت درجہ شفقت تھی جو بالآخر بے حد عقیدت سے بدل گئی اور ان کی تربیت سے یہ چیز ان کے پورے خاندان میں منتقل ہوگئی۔ دار العلوم حقانیہ کے اجلاس دستار بندی کے موقع پر مولانا عبد الحنان ہزاروی مرحوم نے ان کا زبان زد عوام لقب "خان بہادر صاحب" خان اعلیٰ سے تبدیل فرمایا۔ اور اسی لقب سے بعد میں یاد کئے جاتے رہے۔ علماء اور اہل علم سے تعلق اور محبت شیفتگی کی حد تک پہنچ گئی تھی —— پیش نظر مکتوب حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے کسی تعزیتی مکتوب کے جواب میں ہے جو ان کے زمانۂ قیام دیوبند میں اکوڑہ خٹک سے بھیجا گیا ہے۔

[2] مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن قائم شدہ ۱۹۳۷ء جو اب مڈل تک پہنچ چکا ہے۔ اور دار العلوم حقانیہ کے ابتدائی درجہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس وقت اس میں درس نظامی کی ایک کلاس بھی رکھی گئی تھی۔ یہ گویا ایک ابتدائی شکل تھی جسے قدرت نے بعد میں دار العلوم حقانیہ کی صورت میں ظاہر فرمایا۔ صاحب مکتوب ان تمام علمی و دینی کاموں میں مخلصانہ شریک رہے۔

- ظالم مظلوم کی دنیا بگاڑتا ہے اور اپنی آخرت۔ (حضرت غوث الاعظمؒ)
- عاقل پہلے قلب سے پوچھتا ہے پھر منہ سے بولتا ہے۔ 〃
- تیرا کلام بتا دے گا کہ تیرے دل میں کیا ہے۔ 〃
- موت کو یاد رکھنا نفس کی تمام بیماریوں کی دوا ہے۔ 〃
- صالح کی زیارت ہی اسکی حالت کی اطلاع دے دیتی ہے۔ 〃
- مصیبتوں کو چھپا، قرب حق نصیب ہوگا۔ 〃

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ مالیر کوٹلہ میں مشاعرہ میں مدعو کیا گیا۔ خواجہ صاحب خود تو تشریف نہ لے جا سکے تھے۔ لیکن انہوں نے مفتی حمید حسن صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ کو مندرجہ ذیل نعت لکھ کر بھیجی تھی کہ وہ پڑھ کر سنا دیں۔

"احمد سعید ایم اے"
لاہور

حبیبِ کبریا ہو اور محبوبِ خدا تم ہو
محمد مصطفےٰ تم ہو محمد مجتبےٰ تم ہو

مہ و انجم میں سب ہادی مگر شمس الہدیٰ تم ہو
جو ہیں قبلہ نما ان سب کے بھی قبلہ نما تم ہو

اگرچہ میں بدترین خلق ہوں خیر الوریٰ تم ہو
مرض سر تا قدم میں ہوں شفا سر تا بپا تم ہو

نبوت سے مشرف گو ہیں سارے انبیاء لیکن
نبوت جس پہ نازاں ہے وہ فخر الانبیاء تم ہو

ادھر ہے نوعِ انساں ساری مخلوقات سے اشرف
ادھر فخرِ بنی آدم ہو تم خیر الوریٰ تم ہو

بڑے لاکھوں ہی گو موجود ہیں بزمِ دو عالم میں
مگر نامِ خدا سب سے بڑے بعدِ خدا تم ہو

جسے بھی زندہ جاوید ہونا ہے ادھر آئے
برائے خلقِ فانی چشمۂ آبِ بقا تم ہو

تمہیں کو صدرِ بزمِ دو جہاں حق نے بنایا ہے
شہِ لولاک وجہِ خلقتِ ارض و سما تم ہو

مسلمانو! سراپا خیر تھے اب ہو سراپا شر
کرو کچھ شرم آخر امتِ خیر الوریٰ تم ہو

ذرا سوچو تو سر کو ڈال کر اپنے گریبان میں
کہ کس کے تھے اور اب کس کے ہو کیا تھے اور کیا تم ہو

★

حافظ عبد الحلیم کلاچی

شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب کی کامیابی پر

★

عبدِ حق تجھ سے کھلا ہے سوشلسٹوں کا بھرم
حضرتِ حق نے کیا تجھ پر اچانک جب کرم

★

عبدِ حق تجھ کو مبارک ہو کہ چمکا حق ترا
ہے دعا میری کہ چمکے عمر بھر تک حق ترا

★

نصف صدی سے قرآنِ پاک تیرا مشغلہ
نصف صدی سے حدیثِ یارؐ تیرا غلغلہ

★

شیخِ مدنیؒ کے فیوض و علم کا تو ہے امین
تو حدیثِ یارؐ کا اس ملک میں کامل مبین

★

عبدِ حق تو اب تلک تھا منبر و محراب میں
اب گرج ہو گی تری آئین کے ابواب میں

★

چاہتا ہے رب کہ اب تو حدیثِ یارؐ کو
جا کے بتلا دے حکومت کے در و دیوار کو

★

ہے دعا میری یہ ہر نظم میں منشور میں
ہو ترے حق کا اجالا مجلسِ دستور میں

ویسٹ اینڈ واچ کمپنی
(سوئٹزرلینڈ)
کی
اعلیٰ معیاری
گھڑیاں
اب
نئے نئے
خوشنما ڈیزائنوں
میں
ہر جگہ دستیاب ہیں
واٹرپروف شاک پروف
نمبر ۵ سیکنڈس لیڈیز
سنہری کیس ۔/۱۶۵
واحد تقسیم کنندگان
کامریڈ واچ کمپنی
کراچی - ڈھاکہ
NATIONAL 909 E